ترجمان

درس حدیث

محمد اظہر مدنی

بازار کے آداب

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه: أن رسول اللہ ﷺ قال: احب البلاد الی اللہ مساجدھا، وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (رواہ مسلم فی کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح وفضل المساجد ۱/۴۶۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب شہروں میں پائی جانے والی مساجد ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شہروں میں پائے جانے والے بازار ہیں۔

تشریح: بازار اور بیع وشراء یہ انسان کی اہم ضرورت ہے اس سے کوئی انسان اپنے آپ کو الگ نہیں کرسکتا ہے چنانچہ بازار جانا، خرید وفروخت کرنا یہ گناہ کا کام نہیں ہے بلکہ بشری ضرورتوں کی تکمیل کا ایک اہم مصدر ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بالخصوص جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بازار جاتے اور اپنے خورد ونوش کی چیزیں وہاں سے خریدتے اور جہاں تک رہی بات بیع وشراء کی تو خود آپ ﷺ ایک امین وصادق تاجر تھے متعدد لوگوں کے ساتھ مل کر بیع شراء کی، اس غرض سے آپ نے سفر بھی کیا۔ لہٰذا بازار جہاں بیع وشراء کے معاملات انجام پاتے ہیں وہ بذات خود ناپسندیدہ یا حرام نہیں ہیں بلکہ اس میں کئے جانے والے غیر شرعی امور یا دین سے غافل کردینے والے دنیا طلبی کے کام، ان بنیادوں پر اس کی حلت وحرمت موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیع وشراء کو حلال اور سود کو حرام گردانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**احل اللہ البیع وحرم الربا**“ مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مساجد کو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور بازار کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ مگر اس ناپسندیدگی کے باوجود انسان اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے بازار جاسکتا ہے بیع وشراء کے معاملات طے کرسکتا ہے یہ ساری چیزیں جائز ہیں البتہ ایسی جگہوں پر جہاں جانے سے انسان ذکر الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے۔ دنیاوی ٹرک بھڑک میں گم ہوجاتا ہے، بچنا چاہیے، اسی طرح بلاضرورت بازار جانا بھی درست نہیں ہے کیونکہ اللہ کو یہ جگہ ناپسند ہے۔ لہٰذا جب کوئی بازار جائے تو اس کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھے ان آداب میں سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں اس دعا کو امام البانی نے حسن قرار دیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں، امام ترمذی وامام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر فرمایا ہے کہ

:قال رسول اللہ ﷺ من دخل السوق فقال: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، یحی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر، کتب اللہ لہ الف الف حسنۃ، ومحی عنہ الف الف سیئۃ، ورفع لہ الف الف درجۃ، وبنی لہ بیتا فی الجنۃ۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت (مذکورہ) دعاء پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجات بلند فرما دیتا ہے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔ دعا، ذکر الٰہی اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مقصود ہے خواہ بازار ہو یا بازار سے باہر اور اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے متعدد مقامات پر اس کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح بازار میں بہت سارے ایسے کام بھی انجام پاتے ہیں جس نے سختی منع فرمایا ہے جیسے بازار میں شور ہنگامہ کرنا، لوگوں کو اذیت دینا، دھکا مکی کرنا، معمولی معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا اور انتقام لینا، بلاوجہ آواز بلند کرنا، گالی گلوج کرنا، برائی کا بدلہ برائی سے دینا، بازار میں گندگی پھیلانا اور اس کی صفائی کا خیال نہ رکھنا جس کے نتیجے میں بدبو کا پھیلنا اور کوڑے کا انبار لگنا عام بات ہے۔ بیع وشراء کے شرعی تقاضوں کو پورا نہ کرنا مثلاً جھوٹ بولنا، بات بات پر کذب بیانی سے کام لینا، قسم کھانا، اور قسم کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دینا، بھائی چارہ کے اصولوں کو پامال کرنا، نفرت وعداوت اور لڑائی جھگڑے کا ماحول بنانا، اذان ونماز کے وقت بیع وشراء جاری رکھنا، نماز کی پابندی نہ کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، سودی لین دین کرنا، موقع کا غلط فائدہ اٹھانا، ضرورت منداور مجبور کو دیکھ کر دام بڑھا دینا یا بیچنے والے کی ضرورت کو محسوس کر کے دام صحیح نہ لگانا، چوری کا مال خریدنا اور بیچنا، مرد وعورت کا اختلاط، عریانیت اور بے حیائی وفحاشی کا مظہر، روڈ و چوک و چوراہے پر کھڑا ہو کر وقت ضائع کرنا، بلاوجہ بھیڑ کا سبب بننا، دوکانوں یا شاہراہوں پر گانا بجانا اور موسیقی کا اہتمام کرنا، اپنی نظروں کو جھکا کر نہ رکھنا یا اسی طرح اشیاء ممنوعہ اور محرمات کا لین دین کرنا۔ یہ ساری چیزیں آداب سوق کے خلاف ہیں چنانچہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان تمام محرمات ومکروہات سے بچیں اور بازار کے آداب کو ملحوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم لوگوں کو کتاب وسنت کا عامل بنائے۔ **آمین وصلی اللہ علی محمد ﷺ**

اصغر علی امام مہدی سلفی

حج کا پیغام

زندگی میں انسان بہت سے ارادے کرتا ہے، بہت سی جگہوں کا قصد کرتا ہے اور بہت سے اوقات وساعات کو متعین کر کے ان میں کسی کام کو کرنے کا عزم وارادہ کرتا ہے۔ ان تمام مقاصد وعزائم میں سب سے افضل، بہتر، خوش نصیب اور خوب تر قصد وارادہ حج خانہ کعبہ اور زیارت مقدسات: منیٰ، عرفات ومزدلفہ وجمرات اور ادائیگی دیگر مناسک وتلبیات اور تکبیرات کا ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ کا یہ سفر اتنا میمون و مبارک اور دین ودنیا کی بھلائی اور فوز وفلاح کا ضامن ہے کہ جس کا بدل اور برابر کوئی اور سفر نہیں ہوسکتا ہے۔ ساری انسانیت کے لیے اللہ کے گھروں میں سب سے پہلا گھر یہی کعبۃ اللہ ہے۔ اس کا قصد وارادہ بڑی سعادت مندی اور انتہائی خوش نصیبی کی علامت وضمانت ہے۔ ''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَ کًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ فِیۡہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا'' (آل عمران: ۹۶۔۹۷) ''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے۔ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم، اس میں جو آجائیں امن والا ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کردیا ہے''۔

حضرت انسان کے لیے سب سے پہلا گھر یہی بنایا گیا اور اس کو شاد وآباد رکھنے کی دعا کی گئی۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ جل شانہ کی رضا اور اس کی توحید وعبادت کی خاطر گھر بار، کنبہ قبیلہ، وطن، مال ودولت، حتی کہ والدین اور خویش واقارب کو ترک کردیا تھا، بابل ونینوا اور فلسطین وشام کی سرسبز وشاداب زمین سے ہجرت کر کے بے آب وگیاہ، سنگلاخ اور خشک وخارزار پہاڑوں اور پتھروں کی سرزمین کو اپنا مسکن بنایا تھا اور اپنی زوجہ وذریت کو یہیں بے سروسامانی میں آباد کردیا تھا۔ محض اللہ وحدہ لاشریک لہ کی رضا کی خاطر آرزوؤں، تمناؤں اور ڈھیر ساری دعاؤں کے صلہ میں عطا شدہ جگر گوشہ کو قربان بھی کردینے اور بے مثال ایثار وقربانی کا اسوہ پیش فرمایا تھا اور رہتی دنیا تک کے لیے اس سنت ایثار وقربانی کو زندہ وجاوید فرمادیا تھا۔ پھر اسی اولین گھر کے در پر عظیم باپ اور سعادت مآب بیٹے نے مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ مقام کی عظمت، کام کی برکت، نام کی شہرت ووقعت اور اخلاص کی شدت کے ساتھ مقصد

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
اپنی اولاد کو بچالیں	۷
صفات باری تعالیٰ	۹
تاریخ فرضیت حج	۱۱
روزہ ہمیں کیا سکھانے آیا تھا	۱۶
بے صبری اور ناشکری	۲۰
حصول علم کی راہ میں اخلاص کی اہمیت	۲۴
آہ! مولانا محمد جرجیس سلفیؒ	۲۶
تبصرہ	۳۰
پریس ریلیز اور جماعتی خبریں	۳۱

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ——— ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ——— ۷/روپے
پاکستان ——— ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ: www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل: jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل: jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

کی رفعت کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کارنامہ عظیم پر جتنا فخر کرتے ، جشن مناتے اور خوشی و مسرت سے جھوم جاتے کم تھا،مگر جائے نصیحت وموعظت اور مقام تذکیر وتعلیم ہے کہ باپ بیٹے کاروبار حیات ، روزی روٹی اور فکر دنیا جہاں سے بے نیاز و بے پرواہ ہوکر تعمیر بیت اللہ میں منہمک ہیں اور پتھروں کو ڈھونے ، چننے اور درو دیوار کو بنانے اور سنوارنے اور اٹھانے کے ساتھ ساتھ دعا ومناجات ورد زبان اور وظیفہ قلب وجنان ہے اور دونوں ہی والد و ولد حمد وثنائے باری اور آہ وزاری کے ساتھ رطب اللسان ہیں۔"وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"(البقرہ:۱۲۷) "ابراہیم (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما،تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

اس پاک ومبارک گھر کی تعمیر کی فکر دامنگیر ہے اور دونوں ہی برگزیدہ شخصیات اس عظیم کام میں پوری قوت سے اور میسر وسائل کے ساتھ ہمہ تن مشغول ہیں،مگر اس کو شرف قبولیت سے نواز دیا جائے اس لیے دعا ومناجات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔فی زمانہ اس گھر کے قصد کرنے والے سے یہی لگن اور شوق مطلوب ہے۔یہی عمل اور تڑپ اس کے شایان شان ہے اور یہی جذبہ وجوش ، اخلاص وانابت، محبت اور خوف ورجا مرغوب ومطلوب ہے۔معاملہ یہیں نہیں رکتا اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی کہ عمل پیہم ، اخلاص کامل اور دعا قبول ہوجائے بلکہ یہ فکر بھی دامن گیر ہے کہ یہی سپردگی اور یہی رضا وتسلیم ہمیشہ حاصل وشامل حال رہے۔یہ سلسلہ ہم دونوں پر ہی ختم نہ ہوجائے کہ ہم تیرے دونوں برگزیدہ، چنندہ اور پسندیدہ انبیاء خلیل وذبیح ہیں۔بلکہ ہماری آنے والی نسل، ہماری اولاد اور کنبہ وقبیلہ بھی سراپا سر تسلیم خم کرے اور پوری امت و ذریت بھی ہماری طرح مسلمان و تابع فرمان رہے۔" رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ "(البقرہ:۱۲۸) "اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گذار رکھ"۔

معاملہ یہیں نہیں رکتا بلکہ یہ گھر جو پہلا گھر ہے تیرا انسانوں کے لیے اور ہم نے اس کی از سر نو تعمیر بھی کردی ہے۔ہماری ذریت بھی اس کی عظمت و مقام شناس بنی رہے اور اس کے احترام اور انتظام وانصرام میں لگی رہے۔ہم سب کو اس کے احکام و مناسک بھی سکھنے اور عملی طور پر اس کی تعلیم وتربیت اور مشق بھی جاری وساری رکھنے کی توفیق ارزانی فرمادے "وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"(ایضا) "اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم وکرم کرنے والا ہے"۔

کچھ لوگوں کے دل بھی اسی میں اٹکا دے کہ ہر چہار جانب سے کشاں کشاں ، رواں دواں، افتاں وخیزاں، پا پیادہ وسوار، قرب وجوار اور امصار ودیار اور دور و دراز، اقطار وانحاء عالم سے صدائے لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك بلند کرتے ہوئے وارد ہوجائیں۔"فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ"(ابراھیم :۳۷)"پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے"۔

اس امن وآشتی کے اہم اور اصل ٹھکانے پر آکر قلبی سکون، دلی خوشی ، بے پناہ مسرت اور مست وبیخود کردینے والی کیفیت وحالت سے دو چار ہوجائیں۔اور دنیا جہاں اور سارے ارمان وگمان بھول جائیں۔اور بے ساختہ زبان سے نکل جائے۔

کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر کیا چیز ہے دنیا بھول گیا

دراصل قاصد بیت اللہ کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ اس سفر کی تیاری اس کے شایان شان کرے، نیت میں اخلاص پیدا کرے، اپنے چھوٹے بڑے گناہوں کو یاد کرکے اپنے رب کے حضور صدق دل سے توبہ واستغفار اور ترک معاصی وذنوب کا عزم بالجزم کرے، حلال رزق اور پاک کمائی کے ذریعہ زاد راہ اور توشہ ومصارف سفر کا انتظام کرے۔بے سروسامانی کے عالم میں سفر حج وعمرہ پر ہرگز نہ نکلے، کسی کا قرض ہے یا کسی کا ظلما مال وزر یا زمین ہڑپ لیا ہے تو اس کی ادائیگی کا بندوبست کرے، حقدار اور مظلوم کا حق لوٹائے، نیک لوگوں کو رفیق سفر بنائے، اس سفر کا مقصد اللہ کی رضا کے حصول اور اس کی خوشنودی کی طلب کے سوا کچھ نہ ہو۔اس پر مستزاد یہ کہ اس پاک ومقدس سرزمین کی عظمت وسطوت کا سکہ اس کے دل ودماغ میں رچا بسا ہو اور اس کے تقدس وطہارت اور پاکیزگی کی دھاک اس کے قلب وجگر میں بیٹھی ہوئی ہو۔اس مقام کی وقعت ورفعت اس کے ذہن وفکر پر مسلط ہو، اس کے ماضی وحال کے احوال جی جان میں پیوست اور سمائے ہوئے ہوں۔بس وہی ایک خیال اس کے دل ودماغ پر چھایا ہوا ہو۔فرشتوں کا اسے اولین تعمیر کرنا، پھر اس کا طواف کرنا، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا اس بیت عتیق کا قصد وارادہ اور حج کرنا، انبیاء کرام کا اس پاک سرزمین پر چلنا پھرنا اور بہت سے نبیوں کا اس جگہ پر پیدا ہونا اور خود نبی آخر الزماں سید الاولین والآخرین کا مولد ومسکن ہونا، مہبط وحی ہونا، اسراء ومعراج کی ابتداء وانتہاء، یہیں سے اس محیر العقول سفر پر جانا اور لوٹ کر آنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بصد حسرت وآرزو مکہ مکرمہ کو اپنا محبوب ترین شہر قرار دے کر اس سے نہ نکلنے کی تمنا کا اظہار اور بحالت مجبوری ومقہوری وہاں سے ہجرت، اس کے تقدس واحترام کو فرض وواجب قرار دینا، وہاں دشمن جانی کے لیے بھی جان کی امان اور امن وچین کی گارنٹی

اور ''ومن دخلہ کان آمنا'' کا عام سرٹیفکیٹ دینا اور اس گھر کا سراپا حرم ولائق احترام ہونا وغیرہ یہ درشاتا ہے کہ اس کے قاصد و حاجی و معتمر کے دل میں اس گھر کی کیسی عظمت ومحبت اور احترام رہنا چاہئے۔ جہاں وہ اپنی خوش نصیبی پر شاداں وفرحاں ہو وہیں اس کے احترام ومقام میں ادنی بے ادبی و بےحرمتی نہ ہوجائے اس لیے پہلے سے لرزاں وترساں ہو۔

حج ایک عظیم جانی ومالی عبادت ہے۔اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ اس میں نماز ،طواف اور مناسک حج وعمرہ کے ذریعہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا زریں موقع ملتا ہے اور دنیوی فوائد بھی کہ اس میں کاروبار اور تجارت کے ذریعہ مال وزر میں اضافہ ہوسکتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کے بعد جب حکم دیا کہ لوگوں میں حج کی منادی کردیں تو ساتھ ہی ساتھ اس کے فوائد دینیہ ودنیویہ کی بھی نشاندہی فرمائی اور کہا: ''وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ '' (الحج:۲۷-۲۸)'' اور لوگوں میں حج کی منادی کردے لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ''۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کی بڑی اہمیت وفضیلت اور فوائد بیان فرمائے اور حج وعمرہ کو فقر ومحتاجی کے ازالہ، گناہوں سے پاکی وصفائی اور دخول جنت کا ذریعہ بتایا اور کہا کہ حجاج ومعتمرین اللہ سبحانہ وتعالی کے وفود، مستجاب الدعوات اور مغفور لھم ہیں۔ فرمایا: تابعوا بین الحج والعمرہ فانھما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذھب والفضۃ، لیس للحجۃ المبرور ثواب الا الجنۃ، الحجاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم وان استغفروہ غفر لھم (ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ ابن حبان) ''پے در پے حج اور عمرہ ادا کرلیا کرو کیوں کہ یہ دونوں غربت اور گناہوں کو دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو دور کردیتی ہے اور مقبول حج کا بدلہ جنت ہی ہے اور حجاج اور معتمرین اللہ تعالی کے وفد ہیں اگر وہ دعائیں کریں تو ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ جب گناہوں سے مغفرت طلب کریں تو ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

حج وعمرہ کے اخلاقی، تربیتی اور سماجی فوائد بھی ان گنت ہیں اور ہر دور میں اس کی اہمیت ومعنویت فزوں تر ہے۔کیا دیکھتے نہیں کہ پوری دنیا سے جب حاجی ومعتمر موسم حج میں جوق در جوق بیت اللہ شریف کا قصد کرتے ہیں تو سب کی زبانیں الگ الگ ہوتی ہیں، سب کی رنگت مختلف ہوتی ہے، سب کی تہذیب وثقافت جداگانہ ہوتی ہے، سب کا لباس وپہناوا متنوع ہوتا ہے اور کوئی امی اور کوئی غریب ہوتا ہے لیکن جیسے ہی حاجی ومعتمر احرام باندھتا ہے تو سب کی دنیا ہی بدل جاتی ہے، امارت وغربت، رنگ ونسل، زبان وکلچر اور ملک ووطن کی تفریق مٹ جاتی ہے۔سب کا لباس یکساں ہوتا ہے اور سب سبھی ایک ہی یونی فارم میں ایک ہی ترانہ گنگنانے لگتے ہیں کہ '' **لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک، لاشریک لک**''۔

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
ترے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کیا دنیا میں اتحاد انسانیت، عالمی اخوت وبھائی چارہ، ایثار وقربانی، امن وسلامتی اور یک جہتی وجذبہ خیر سگالی جس کی آج پوری دنیا متلاشی ومتقاضی ہے، کے اس قدر عملی مظاہرہ کی کوئی مثال موجود ہے۔اور یہ سب مسلمانان عالم کی عالمی کانفرنس حج وعمرہ کے ذریعہ ہی ممکن ہوتا ہے اور یہ سارے دروس وعبر، نصیحت وموعظت، روحانی وجسمانی تزکیہ اور پیغام انسانیت اللہ کے پہلے گھر کعبہ مشرف میں ایمان واخلاص کے ساتھ حاضری ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔حاجیوں کو عام ہدایت ہے کہ وہ بطور خاص فسق، فجور، شہوانی باتوں اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کریں، مناسک کی ادائیگی میں حاجیوں سے دھکا مکی نہ کریں، ازدحام کے وقت صبر وضبط اور ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں، کمزوروں اور ضعیفوں کو خود پر ترجیح دیں اور ان کا از بس خیال رکھیں اور اپنے ہر قول وعمل سے امن واشانتی اور اخوت اسلامی وانسانی کا مظاہرہ کریں، صاف طور پر ارشاد ہے: '' اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ '' مَّعْلُوْمٰتٌ '' فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ'' (البقرۃ:۱۹۷) ''حج کے مہینے مقرر ہیں۔اس لیے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنے بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اس سے اللہ تعالی باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر توشہ اللہ تعالی کا ڈر ہے اور اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو''۔

اگر حاجیوں نے ان امور واخلاق کو حقیقی معنوں میں برت لیا تو پھر وہ اپنے

مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گئے جیسے کہ ان کی ماں نے جس دن ان کو گناہوں سے پاک صاف جنم دیا تھا: **من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه** (بخاری) ’’جو رضائے الٰہی کے لیے حج کرے جس میں نہ کوئی بے ہودہ بات ہو اور نہ کسی گناہ کا ارتکاب تو وہ ایسے لوٹے گا جیسے کہ اس کی ماں نے ابھی جنم دیا ہو‘‘۔

حج مبرور کی علامت علماء نے بتائی ہے کہ حج سے لوٹنے کے بعد بھی حج کے اثرات حجاج کے اوپر قائم و دائم رہیں بلکہ بعد کے ایام میں اس کے اندر معاصی سے اجتناب اور افعال و اعمال خیر کے جذبات فزوں تر ہو جائیں۔ اس لیے حاجیوں کو حج سے واپسی کے بعد ان امور و افعال کا خاص پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔

اسی طرح حاجیوں کے اندر جذبہ شکر وسپاس کا پیدا ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ مملکت سعودی عرب جس طرح حاجیوں کے استقبال اور ان کی راحت رسانی کے لیے جس قدر حسن انتظام وانصرام کرتی ہے اور مناسک کی ادائیگی کے لیے جس اعلی پیمانے پر حرمین شریفین اور مشاعر و اماکن کی توسیع کا کارنامہ انجام دیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ ان سب کے باوجود کثرت ازدحام کی وجہ سے اگر کسی حاجی کو وقتی طور پر کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے تو بے صبری اور بدگوئی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ یہ جذبۂ شکر کے منافی ہے۔ حاجیوں کو سعودی حکومت اور عوام وعلماء کا ان کی مساعی جمیلہ پر شکر گزار ہونا چاہیے کیوں کہ جذبۂ شکر گزاری ازدیاد نعمت کا سبب ہوتا ہے۔

دنیا جہاں میں اللہ جل شانہ نے ایک ہی نفس سے سب کو پیدا فرمایا اور خشکی و تری، نشیب و فراز اور ہر جگہ پھیلایا اور بسایا۔ ہمارا یہ اجتماع بلا تفریق رنگ و جغرافیہ ایک ہونے کا سبق یاد دلاتا ہے اور میدان محشر میں تمام اولین وآخرین کو جمع فرمائے گا جو یوم الحساب ہوگا اور بدلے کا دن ہوگا۔ اس دن حقیقی ثمرات والے و ذلت والے بالکل ظاہر کر دیئے جائیں گے جس نے آج ہی سے اس سبق کو یاد کر لیا ہے اور اس کی تیاری کر لی وہ کامیاب ہے ورنہ ناکامی سے کوئی بچ نہیں سکے گا۔ اس خصوص میں اس نعمت کو خاص طور پر یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ دنیا کے ہر حصہ سے آپ کے دینی و ایمانی بھائی اکٹھا ہو رہے ہیں۔

حج جسے کمزوروں، ضعیفوں، عورتوں، بوڑھوں کا جہاد کہا گیا ہے اور مکہ جو کہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ، پہاڑوں اور وادیوں والی سرزمین میں واقع ہے اس کا سفر اور اس میں مناسک حج کی ادائیگی کے لیے میقات سے لے کر منی و عرفات، مزدلفہ، مشعر حرام اور دیگر مقامات مقدسہ خصوصا مطاف و مسعیٰ، صفا و مروہ وغیرہ حاجیوں کے لیے بڑی ہی جد و جہد، مشقت و جاں فشانی کا باعث ہوا کرتی ہے اور عرب کی چلچلاتی دھوپ اور کبھی کبھی باد سموم کے جھونکوں کو برداشت کرتے ہوئے اہل ایمان پروانہ وار اور کشاں کشاں شاداں و فرحان کسی بھی تکلیف و طوفان کو خاطر میں لائے بغیر بکھرے ہوئے بالوں، غبار آلود جسم اور آبلہ پا، بسوئے حرم رواں دواں رہتے تھے۔ اور اس کے باوجود ’’الاجر بقدر المشقۃ‘‘ کہ اجر و ثواب مشقت کے بقدر ملتا ہے۔ اس کو برداشت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ خوشی و مسرت سے سرشار ہو کر انجام دیتے تھے اور اللہ کا ہزار ہزار شکر بجا لاتے تھے۔ آج اللہ کا کرم دیکھئے کہ دنیا جہاں کی ساری سہولتیں، ہر طرح کے آرام و آسائش، انواع و اقسام کے طعام، راحت و آرام کے تمام ممکنہ وسائل، مواصلات اور دیگر سہولیات کی فراوانی اور پانی جو آب حیات کا درجہ رکھتا ہے اس کا قدم قدم پر انتظام و انصرام اور ٹھنڈے مشروبات اور نوع بنوع چائے اور قہوات کی قدم قدم پر حصولیابی کے علاوہ تمام مشاعر خصوصا مکہ و مدینہ کے تمام راستے، گلیاں، انتہائی صفائی و ستھرائی اور چمچماتی ہوئی سڑکیں اور شاہراہ عام، بلند و بالا عالی شان اور خوبصورت قصور و محلات اور مساکن و مکانات جس کا بسا اوقات ہم تصور بھی نہیں کر سکتے یہ تمام بے مثال اور عدیم النظیر سہولتیں ہمیں پوری یکسوئی سے عبادات و معاملات کی کثرت اور حسن کو دوبالا کرنے کی دعوت و رغبت دلاتی ہیں اور سنہری موقع فراہم کرتی ہیں وہیں رب کریم کے حضور شکر و امتنان بار بار اور ہزار بار بجا لانے کی تلقین بھی کرتی ہیں اور جن خادمین حرمین شریفین نے اللہ کے مہمانوں کے آرام و آسائش اور ان کی دنیا و آخرت بنانے کے لیے جو جتن کیے ہیں، محنتیں صرف کی ہیں، لگن و شوق اور فکر مندی اور جان کاہی سے حجاج کرام کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔ ان کا بھی شکریہ ادا کریں ان کے حق میں دعائیں کریں اور حج اور عبادات کے ثواب کو ملیا میٹ کرنے والی تمام غیبت، برائی اور بے جا تنقیدات و تبصروں اور لغویات سے بچنے کی بھرپور کوشش کریں۔ دوران حج بھی اور گناہوں سے پاک و صاف اور معصوم بچوں کی طرح جب اپنے اپنے وطن مالوف کو لوٹ جائیں تب بھی۔ یہ بات ہرگز نہ بھولیں کہ امت اور ملک و ملت اور سارا جہاں و ساری انسانیت مختلف طرح سے شدید بحرانوں اور آزمائشوں اور آفات و بلیات و نزاعات اور عداوات کی آماجگاہ بنتی جا رہی ہے اور فتنہ و فساد اور ظلم و طغیان کا طوفان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان مسلمان کا، ایک انسان دوسرے انسان کا حتی کہ بھائی بھائی کا جانی دشمن بنتا جا رہا ہے اور یہ انسانیت و ایمان کے لیے سب سے خطرناک سامان ہے اس سے خود بچے رہنے کی اس پاک جگہ پر دعا کریں اور جنگ و جدال اور تعصب و نفرت سے سارے مسلمانوں اور انسانوں کے بچنے کے لیے بصد آہ وزاری دعائیں کریں۔ اپنے مظلوم بھائیوں قوموں کو اپنی دعاؤں میں خوب خوب یاد کریں اور ہر طرح کی دہشت گردی اور ظلم و زیادتی اور تشدد سے دنیا کو پاک کرنے کی دعا کریں اور امن و امان اور محبت و بھائی چارہ کے عام ہونے کے لیے اپنی تہجد کی نمازوں اور دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

اپنی اولاد کو بچالیں

مولانا خورشید عالم مدنی
پھلواری شریف، پٹنہ

ایمان اللہ کی عظیم نعمت اور اس کائنات کی عظیم دولت ہے۔ یہ دولت جسے مل گئی اسے حقیقی کامیابی مل گئی اور وہ دنیا وآخرت کی رسوائیوں سے بچ گیا۔ سورہ ”والعصر“ کا یہی پیغام ہے کہ زمانے کے ہر دور میں وہی کامیاب رہے، گھاٹے سے محفوظ رہے، دنیا وآخرت میں عزت وسربلندی سے شادکام رہے گا، جسے نعمت ایمان مل گئی۔ اور جو بدنصیب اس سے محروم رہا اسے دنیا کی لعنتیں ملیں، آخرت کی رسوائی حاصل ہوئی، ان کے نام ونشان مٹ گئے اور وہ داستان پارینہ بن کر رہ گئے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر تاریخ انسانی کا ہر عہد، ہر باب اور ہر صفحہ گواہ ہے۔

ایمان والے ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں، ولی اللہ وہی کہلاتے ہیں جس کا اندرون نور ایمان سے منور ہو اور جو لباس تقوی سے مزین ہو اور یہی وہ نورانی جماعت ہے جسے اللہ تعالی شرک وبدعات، شہوات وشبہات اور معاصی وذنوب کی تاریکیوں سے نکال کر اس کے سر پر چمکتا دمکتا، گردوپیش کو روشنی بخشتا تاج توحید رکھتا ہے اور ایمان کی بہاروں سے اسے سرور وانبساط بخشتا ہے۔ اپنے پیش نظر ان دو آیتوں کو رکھیں ”أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (یونس:62) یادرکھو! جو اللہ کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ ”اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ“ (بقرہ:257) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اُن کا دوست اللہ ہے جو اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے“ اللہ کا ولی کون ہے؟ اس تعلق سے عجیب وغریب باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جس کے بال لمبے ہوں، کالا لباس پہنتا ہو، کسی درگاہ ومزار کا مجاور ہو، خاندانی طور پر اس کے آباء واجداد بھی اسی مقام ولایت پر فائز ہوں، کرامات کا ظہور ہوتا ہو وغیرہ۔ اور جو لوگ ولی کا صحیح مفہوم بتاتے ہیں، اولیاء الرحمن کے اوصاف وصفات بتاتے ہیں، ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ولی کو نہیں مانتے، اس کی شان میں تنقیص کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم ولی کو مانتے ہیں، اُن سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اولیاء سے متعلق آیات کریمہ پر ایمان بھی رکھتے ہیں لیکن ہم اس طرح نہیں مانتے جس طرح آپ ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ ہم ولی کو ولی اللہ مانتے ہیں، اللہ نہیں مانتے۔ پھر ایک شخص جو دنیا سے چلا گیا اس کی قبر پر ہزاروں روپیے خرچ کرنے، سالانہ عرس کے میلے لگانے، چراغاں کرنے سے کیا فائدہ؟ اس پیسے کو کنٹرول کرکے اگر ہم ایک آوٹ ڈور (Out Door) کھول دیں، آنکھ آپریشن کا کیمپ لگادیں تو بہت سارے مرنے والوں کو نئی زندگی مل جائے گی اور بہت ساری آنکھوں میں روشنی آجائے گی، غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف ہوجائے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کمند غیروں نے ڈالی چاند تاروں پر
ایک ہم ہیں کہ کھڑے ہیں ابھی مزاروں پر
غریب شہر ترستا ہے ایک ردا کے لئے
بہت ہیں چادریں چڑھی ہوئی مزاروں پر

قارئین محترم! اولاد جو آپ کی گردن میں اللہ کی امانت ہیں۔ ان کی تعلیم وتربیت کے لیے ایسی درسگاہوں اور تعلیمی اداروں کا انتخاب ہرگز نہ کریں جہاں ان کا ایمان محفوظ نہ رہے، جہاں آخرت کا تصور نہ ہو اور جہاں شعوری طور پر مسلمان باقی نہ رہ سکیں، جہاں تعلیم کے ساتھ الحاد بھی چلا آئے، جہاں لڑکیوں کی کھلی ٹانگیں یونیفارم میں شامل ہوں اور اسے تہذیب وشائستگی کی علامت تصور کیا جاتا ہو۔ کسی نے بجا فرمایا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں تو کالج کی تعلیم سے مزاج بگڑتا تھا مگر اس وقت پرائمری درجات بلکہ نرسری درجات ہی سے بچوں کے مزاج بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آج مشنری اسکولوں (convent) میں مسلم طلبا کی بڑی تعداد زیر تعلیم ہے جن کی دینی معلومات کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ان کی بائبل کی معلومات قرآن سے زیادہ تھیں۔ ان اسکولوں نے ہمارے بچوں کو ذہنی وفکری طور پر اسلام سے خارج کردیا ہے، ان ہی اسکولوں کے تعلیم یافتہ مسلم بچے ہیں جو اسلام کے نظام طلاق، نظام وراثت، تعدد ازدواج پر اعتراض کررہے ہیں۔ بقول شیخ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ”اگر فکری ارتداد کی طغیانی کو روکا نہیں گیا تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اسلام وایمان کے باقی رہنے کی کوئی ضمانت نہیں اس لیے کہ ان مشنری اسکولوں اور اداروں کے عزائم بڑے خطرناک ہیں، وہ تعلیم وتربیت کی آڑ میں ان معصوم بچوں کو اسلام ہی سے دور کررہے ہیں“ اس لئے اپنے بچوں کو شعوری طور پر مسلمان رکھنے کے لیے، احساس کمتری اور مرعوبیت سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم خود معیاری اسکول قائم کریں، مناسب منافع پر چلائیں اور اسکول کی فلک بوس عمارت کی تعمیر کے بجائے افراد کی تعمیر پر توجہ دیں۔ ہم محلوں اور گاؤں میں مکاتب کے جال بچھادیں جن میں ناظرہ قرآن، دعائیں یاد کرانے کے ساتھ منتخب آیات واحادیث کے ترجمے، عقیدے سوال وجواب کے انداز میں سکھلائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت، ہندوستان کی تعمیر میں مسلمان اور مسلم حکمرانوں کی خدمات جیسے اہم موضوعات بھی مختصراً اور آسان زبان

میں پڑھائے جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا محرومی ہوسکتی ہے کہ ہمارے بچے جدید تعلیم کے میدان میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد بھی وہ قرآن کریم نہیں پڑھ سکیں، انہیں دین کی بنیادی معلومات بھی نہ ہوں، اُنھیں کرسی تو اونچی مل جائے لیکن آیۃ الکرسی یاد نہ ہو، اس کمی اور خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر اب بھی ہم نہیں جاگے تو عجب نہیں کہ ہماری یہ غفلت ہماری صفوں میں سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور حمید دلوائی جیسے ملحدین ودہریے کو جنم دے گی۔

یہ اسمارٹ فون، لیپ ٹاپ جس کے ذریعے دنیا مٹھی میں آگئی ہے، اس کے بڑے فوائد بھی نظر آرہے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کا ایک لازمی وضروری حصہ بن گیا ہے۔ ان سب کے باوجود یہ کہا جارہا ہے کہ اسمارٹ فون کا بے دریغ استعمال بچوں کی نشوونما پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ نوعمر بچوں کا اسکرین پر زیادہ وقت گزارنے سے بھی کئی مسائل جیسے کمزوریٔ بصارت، نیند کی کمی، ڈپریشن، تعلیمی کارکردگی میں خرابی اور غیر اخلاقی سرگرمیاں پیدا ہورہی ہیں اس لئے ان کے محتاط و مناسب استعمال پر توجہ دلانے کی بھی ضرورت ہے۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی ذہن سازی اور کردار سازی کریں، ان کی اخلاقی و دینی پہلو پر توجہ رکھیں، حلال وحرام، ثواب وگناہ، اچھے برے میں تفریق کی تربیت بھی کریں تاکہ وہ اسمارٹ فون کے ذریعہ پھیل رہے فتنے سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اور ان سے تھوڑی دوری بنانے میں کامیاب ہوکر کامیاب بن جائیں۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی ہمہ جہت ترقی اور بہترین شخصیت کی تشکیل میں موثر کردار ادا کریں، وہ رول ماڈل بن جائیں، بچوں کو اپنا وقت بھی دیں، ان کے دل بہلائیں، اپنی زندگی کے واقعات وتجربات شیئر کریں، ان کے لائق مناسب میگزین وغیرہ بھی دیں تاکہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں پروان چڑھیں، ان کے کھیلنے کا موقع فراہم کریں تاکہ ان کی جسمانی وذہنی نشوونما ہوسکے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ نیک اولاد سے بہتر کوئی میراث نہیں۔ ایک دانشور کا قول ہے ''یتیم وہ بچہ نہیں ہے جس کے والدین فوت ہوگئے اور اسے تنہا چھوڑ دیا، اصل یتیم تو وہ ہیں جن کی ماؤں کو تربیت اولاد سے دلچسپی نہیں اور باپ کو ان کو دینے کے لیے وقت نہیں''۔ ''اپنی اولاد کو مال دار بنانا کمال نہیں بلکہ انہیں دین دار بنانا کمال ہے''۔ آپ اپنی اس دنیا میں اور اپنی زندگی میں کتنا کامیاب ہیں، اس کا اندازہ اپنے بچوں کو دیکھ کر ہی لگا سکتے ہیں۔ اگر وہ دینی واخلاقی اعتبار سے اچھے ہیں تو یہی آپ کی کامیابی ہے۔

آج نوجوان کو موبائل فون کی لت لگ گئی ہے۔ جنون کی حد تک اس سے چمٹے رہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد اس کے منفی مناظر، Tik-Tok، قبیح ویڈیوز سے محفوظ رہیں تو آپ کے پاس دو نسخے ہیں پہلا نماز ہے اور دوسرا تلاوت قرآن ہے، اسے ذرا سمجھ کر پڑھیں۔ عقائد کے بعد عبادات کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی کے ذریعے اسلام کا عملی اظہار اور انسانی نفوس کی تربیت ہوتی ہے۔ ان عبادتوں میں سرفہرست نماز ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسانوں کو نیکیوں پر آمادہ کرتی اور برائیوں سے روکتی ہے"إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ''(عنکبوت:45) اس لیے بچوں کو عہد طفلی سے نماز پڑھنے کی ترغیب کریں "مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر وفرقوا بينهم في المضاجع '' (أبوداؤد:495) ''بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دیں اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو (ترک صلاۃ) پر تادیبی ضرب لگائیں اور ان کے بستر بھی الگ کردیں''۔ بچے جب نماز کی پابندی کریں گے تو وہ دعاؤں کو، قرآنی سورتوں کو بھی یاد کرنے کی کوشش کریں گے۔

واضح رہے کہ بچے نمازی اس وقت بنیں گے جب والدین نیک ونمازی بن جائیں۔ والدین کی صالحیت کا فائدہ بسا اوقات ان کی وفات کے بعد بھی بچوں کو ملتا ہے۔ جیسا کہ سورہ کہف میں خضر علیہ السلام سے اللہ تعالی نے یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کروائی، جن کے والد نیک تھے "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" (کہف:82) یہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو نماز تہجد کا اہتمام فرماتے، لڑکا پاس میں لیٹا ہوا ہوتا تو اس کو مخاطب کرکے فرماتے "من أجلك يا بني" ''بیٹے تمہاری خاطر یہ نماز ادا کر رہا ہوں'' پھر روتے ہوئے یہ فرماتے "وكان أبوهما صالحا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے نماز کے متعلق پوچھتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں میں نے ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے پاس گزاری۔ جب مسجد سے گھر تشریف لائے تو آپ نے خالہ جان سے پوچھا "أصلى الغلام قالوا: نعم'' (ابوداؤد:1356) ''بابو نے نماز پڑھی ہے تو انہوں نے جواب دیا: ہاں پڑھ لی ہے'' اس لیے ہر باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسجد سے لوٹنے کے بعد اپنی اولاد سے متعلق یہ کنفرم ہوجائے کہ انہوں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں، تاکہ بچوں کو احساس ہو کہ ابا جان ہماری نماز چاہتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد گرامی عبدالعزیزؒ گورنر ہیں، لیکن انہوں نے اپنے عمل سے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ نماز سے متعلق ادنیٰ تاخیر گوارہ نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؒ زمانۂ طالب علمی میں نماز سے پیچھے رہ گئے۔ استاد نے وجہ پوچھی کہا بال سنوارنے میں جماعت چھوٹ گئی۔ مربی نے فوراً ان کے والد کو اس کی اطلاع دی آپ کے صاحبزادے کی نماز باجماعت بال کی تزئین کے سبب چھوٹ گئی ہے۔ غور کریں باپ نے اپنے بیٹے کے ذہن ودماغ میں نماز کی اہمیت کس طرح بٹھائی، انھوں نے اپنا قاصد بھیجا جو آتے ہی کسی گفتگو کے بغیر پکڑ کر بال مونڈ دیا کیوں کہ اسی بال کو سنوارنے کے سبب وہ نماز سے پیچھے رہ گئے تھے۔

زندگی پھول ہے، خوشبو ہے، شفق ہے یارو
طے کریں ہم یہ سفر دل نشیں کردار کے ساتھ

(احسان مکرم پوری)

صفاتِ باری تعالیٰ
صفتِ علم

مولانا عبید اللہ الباقی اسلم

أولاً: علم کی تعریف:

أ- علم کی لغوی تعریف:

علم یہ جہالت کا نقیض ہے [دیکھیں: مقاییس اللغۃ (4/110)، والصحاح (6/268)

ب- علم کی شرعی تعریف:

علم یہ احاطہ وکمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ایک ذاتی صفت ہے؛ وہ علیم ہے، اور اس کے علم نے تمام ظاہری و باطنی، اور چھوٹی و بڑی چیزوں کو مکمل طور پر احاطہ کر رکھا ہے [دیکھیں: النہایۃ لابن أثیر (3/560)].

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سب کے بارے میں بخوبی جانتا ہے جو ہو چکا ہے، جو ہو رہا ہے، جو ہونے والا ہے، اور جو اب تک ہوا نہیں ہے اگر وہ ہوگا تو کیسے ہوگا [توضیح المقاصد وتصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الإمام ابن القیم (2/215)

لہٰذا کمالِ مطلق طور پر یہ ثابت کرنا واجب ہے کہ علم یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ذاتی صفت ہے جس میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے [دیکھیں: موسوعۃ العقیدۃ (4/2096)

ثانیاً: صفتِ علم کے چند دلائل:

أ- قرآن کریم:

1- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ "جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے" (سورۃ النساء:166)

2- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ "اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے" (سورۃ البقرۃ:255)

3- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ" وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، چھپے کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا" [سورۃ الحشر (22)

ب- احادیث نبویہ:

1- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ" "اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بدولت خیر طلب کرتا ہوں" [صحیح البخاري (ح:1162)

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی ہے کہ: «اللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِي» "اے اللہ! میں تیرے علم غیب اور مخلوقات پر تیری قدرت کے ذریعہ (تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ) تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر سمجھے، اور مجھے اس وقت موت دے جب میرے لیے موت بہتر سمجھے" [سنن النسائی (ح:1305)، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھیں: صحیح الجامع (ح:1305)].

صفتِ علم کے بارے میں اہل علم کے چند اقوال:

1- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يعلم لا كعلمنا" اللہ تعالیٰ جانتا ہے، مگر اس کا علم ہمارے علم کی طرح نہیں ہے (بلکہ اس کا علم اسی کے شایان شان ہے) فقہ الاکبر (ص:49)].

2- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے اندر کتاب التوحید کے تحت ایک باب قائم کیا ہے: باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ "وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا"، ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے"، ﴿وَأَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ "اور اسے اپنے علم سے اتارا ہے"، ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ "اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے"، ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ "قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے" [صحیح بخاری (ص:1013)].

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو

ثابت فرمایا ہے، جس کے براہین مخلوقات میں بالکل ظاہر ہیں ؛ کیوں کہ وہی خالق حقیقی ہے، اور ہر عقلمند انسان کو پتہ ہے کہ خلق ارداہ کو مستلزم ہے، اور ارداہ علم کو مستلزم ہے؛ لہٰذا علم اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، جس پر کتب وسنت کے بے شمار دلائل دلالت کرتے ہیں ؛ لہٰذا اس کا انکار کوئی گمراہ، معاند اور مکابر ہی کرسکتا ہے [دیکھیں: شرح کتاب التوحید للدکتور غنیمان (1/103)

3- امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والله ذو علم بضمائر صدور عباده، وما تنطوي عليه نفوسهم الذي هو أخفى من السر، لا يعزب عنه شيء من ذلك'' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سینوں میں چھپے بھیدوں سے واقف ہے، اور رازوں سے کہیں زیادہ پوشیدہ ان کے دلوں میں آنے والے خیالات سے بھی آگاہ ہے ؛ یقیناً اس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہوسکتی ہے [تفسیر طبری (23/417)

4- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واسمه العليم، هو الرب العليم الذي العلم صفة'' اور اس کا نام ہے علیم، اور اس رب علیم کی (بلندترین صفتوں) میں علم ایک (عظیم) صفت ہے [مجموع الفتاوی (6/201)

ثالثاً: صفتِ علم کے چند اثرات:

1- اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے: {اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ} "اللہ ہی ہر چیز) کا خالق ہے" [سورۃ الزمر (62)

اسی نے کارخانہ ہستی کو وجود میں لایا: {وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا} ''اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرادیا ہے'' [سورۃ الفرقان (2)

وہی مدبر کائنات ہے: {يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ} "وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر) کام کی تدبیر کرتا ہے" [سورۃ السجدۃ (5)

لہٰذا اس کے علم سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہوسکتی ہے: {لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ} "اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی چیز کھلی کتاب میں موجود ہے" [سورۃ سبا (3)

2- جب بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے: {إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا} ''اصل بات یہ ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں، اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے'' [سورۃ طٰہ (98)

وہ سینوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے: {وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ} تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، وہ تو سینوں کی پوشیدگی کو بھی بخوبی جانتا ہے" [سورۃ الملک (13)

اس کا رب اس کی تمام حرکات وسکنات سے واقف ہے، اس پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں ہے: {إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ} [سورۃ آل عمران (5)

تو پھر اپنے رب سے ڈرنے لگتا ہے، اور خواہشات نفسانی سے دور رہ کر اپنے دین وسارے معاملات کو اپنے معبود کے لئے خالص کردیتا ہے: {قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب اللہ ہی کے لیے" ہے جو سارے جہان کا مالک ہے" [سورۃ الانعام (162)

ایسے ہی لوگ حقیقی کامیاب ہیں؛ جنہیں جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے: {وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ، فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ} "ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا؛ اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے" [سورۃ النازعات (40-41)

3- صفتِ علم پر ایمان رکھنے والے کے دل میں خشیت الٰہی پائی جاتی ہے: لہٰذا وہ اوامر الٰہی کی پابندی کرتا ہے، تو نواہی سے دور بھی رہتا ہے، اور ایسے ہی لوگوں کو یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے: {الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ، لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز کرتے ہیں، ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے؛ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے" [سورۃ یونس (63-64)

4- صفتِ علم پر ایمان رکھنے والے ہر چیز میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں: {وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ} "ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے" [سورۃ التوبۃ (51)

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵ پر)

ترجمان

مولانا ابوالکلام آزادؒ

تاریخ فرضیتِ حج

اگر چہ اہل عرب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجموعۂ تعلیم ہدایت کو بالکل بھلا دیا تھا لیکن انھوں نے خانہ کعبہ کے کنگرے پر چڑھ کر تمام دنیا کو جو دعوت عام دی تھی۔اس کی صدائے بازگشت اب تک عرب کے در و دیوار سے آرہی تھی۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (الحج:۲۶-۲۷)

"اور جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے ایک معبد قرار دیا اور حکم دیا کہ ہماری قدوسیت و جبروت میں اور کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور اس گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے ہمیشہ پاک و مقدس رکھنا! نیز ہم نے حکم دیا کہ دنیا میں حج کی پکار بلند کردو۔ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے ان میں پیادہ پا بھی ہوں گے اور وہ بھی جنھوں نے مختلف قسم کی سواریوں پر دور دراز مقامات سے قطع مسافت کی ہوگی۔"

بدعات ومحدثات جاہلیت: لیکن سچ کے ساتھ جھوٹ مل جاتا ہے تو وہ بہت خطرناک ہوجاتا ہے۔ اہل عرب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت قدیم کو تو زندہ رکھا تھا، لیکن بدعات واختراعات کی آمیزش نے اصل حقیقت بالکل گم کردی تھی۔

۱۔خدا نے اپنے گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیام کی اجازت صرف اس شرط پر دی تھی کہ "کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا" (ان لا تشرک بی شیءًا) لیکن اب خدا کا یہ گھر تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بن گیا تھا اور ان کا طواف کیا جاتا تھا۔

۲۔خدا نے حج کا مقصد یہ قرار دیا تھا کہ دنیوی فوائد کے ساتھ خدا کا ذکر قائم کیا جائے لیکن اب صرف آباواجداد کے کارنامہ ہائے فخر وغرور کے ترانے گائے جاتے تھے۔

۳۔حج کا ایک مقصد تمام انسانوں میں مساوات قائم کرنا تھا۔ اس لیے تمام عرب بلکہ پوری دنیا کو اس کی دعوت عام دی گئی اور سب کو وضع ولباس میں متحد کردیا گیا۔ (یہ اشارہ احرام کی طرف ہے کہ حج کے موقع پر تمام افراد ایک ہی وضع کا لباس اختیار کرتے ہیں۔ یعنی دو چادریں، ایک باندھنے کے لیے اور دوسری اوڑھنے کے لیے، سرننگا رہتا ہے) لیکن قریش کے غرور فضیلت نے اپنے لیے بعض خاص امتیازات قائم کرلیے تھے جو اصول مساوات کے بالکل منافی تھے مثلاً تمام عرب عرفات کے میدان میں قیام کرتے تھے لیکن قریش مزدلفہ سے باہر نہیں نکلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متولیان حرم، حرم کے باہر نہیں جاسکتے، جس طرح آج کل کے امرائے فسق ووالیان ریاست عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں آکر بیٹھنے اور دوش بدوش کھڑے ہونے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

۴۔قریش کے سوا عرب کے تمام مرد وزن برہنہ طواف کرتے تھے۔ ستر عورت کے ساتھ صرف وہی لوگ طواف کرسکتے تھے جنھیں قریش کی طرف سے کپڑا ملتا تھا اور قریش نے اسے بھی اظہار سیادت کا ایک ذریعہ بنالیا تھا۔

۵۔عمرہ گویا حج کا ایک مقدمہ یا جزو تھا لیکن اہل عرب ایام حج میں عمرہ کو سخت گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جب حاجیوں کی سواریوں کی پشت کے زخم اچھے ہوجائیں اور صفر کا مہینا گزر جائے، تب عمرہ جائز ہوسکتا ہے۔

۶۔حج کے تمام اجزاء ارکان میں یہودیانہ رہبانیت کا عالمگیر مرض ساری ہوگیا تھا۔ اپنے گھر سے پاپیادہ حج کرنے کی منت ماننا، جب تک حج ادا نہ ہوجائے خاموش رہنا، قربانی کے اونٹوں پر کسی حالت میں سوار نہ ہونا، ناک میں کیل ڈال کر جانوروں کی طرح خانہ کعبہ کا طواف کرنا، زمانہ حج میں گھر کے اندر دروازے کی راہ سے نہ گھسنا، بلکہ پچھواڑے کی طرف سے دیوار پھاند کے آنا، در ودیوار پر قربانی کے جانوروں کے خون کا چھاپا لگانا، عرب کا عام شعار ہوگیا تھا۔

ظہور اسلام وتزکیہ حج: اسلام درحقیقت دین ابراہیمی کی حقیقت کی تکمیل تھا، اس لیے وہ ابتدا ہی سے اس حقیقت گم شدہ کی تجدید واحیا میں مصروف ہوگیا، جس کا قالب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں نے تیار کیا تھا۔ اسلام کا مجموعہ عقائد وعبادات صرف توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے مرکب ہے لیکن ان تمام ارکان میں حج ہی ایک ایسا رکن ہے جس سے اس تمام مجموعہ کی ہیئت ترکیبی مکمل ہوتی ہے اور یہ تمام ارکان اس کے اندر جمع ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو صرف خانہ کعبہ ہی کے ساتھ معلق کردیا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (النمل:۹۱) مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے خدا کی عبادت کروں، جس نے اسے حرمت وعزمت والا بنایا۔ سب کچھ اسی خدا کا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے فرمانبرداروں

میں سے رہوں۔

حج اور اسلام: یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ہر موقع پر حج کے ساتھ اسلام کا ذکر بطور لازم وملزوم کے کیا: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (الحج: ۳۴) اور ہر امت کے لیے ہم نے عبادات کا ایک طور طریقہ ٹھہرادیا تھا کہ خدا نے انھیں جو چار پائے بخشے ہیں، ان کی قربانی کے وقت خدا کا نام لیں۔ پس تم سب کا خدا ایک ہی ہے، اسی کے تم سب فرمانبردار بن جاؤ اور خدا کے خاکسار بندوں کو حج کے ذریعے سے دین حق کی بشارت دو۔

امت مسلمہ: خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن ''کلمات'' کے ذریعے سے آزمایا اور جن کی بنا پر انھیں دنیا کی امامت عطا ہوئی وہ اسلام کے اجزائے اولین یعنی توحید الٰہی، قربانی نفس وجذبات، صلوۃ الٰہی کا قیام اور معرفت دین فطری کے امتحانات ہیں۔ اگرچہ ان کی اولاد میں سے چند ناخلف لوگوں نے ان ارکان کو چھوڑ کر اپنے اوپر ظلم کیا اور اس موروثی عہدے سے محروم ہو گئے **قال لا ینال عھدی الظالمین** لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کے اندر ایک دوسری امت بھی چھپی ہوئی تھی جس کے لیے خود انھوں نے خدا سے دعا کی تھی۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا (النحل: ۱۲۰) ابراہیمؑ بظاہر تو ایک فرد واحد تھے مگر ان کی فعالیت روحانیہ والٰہیہ کے اندر ایک پوری قوم قانت ومسلم پوشیدہ تھی۔

مقاصدِ حج

عبادات واعمال کا مقصد: دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تمام عبادات واعمال کا ایک مقصد متعین کیا اور اس مقصد کو نہایت صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ نماز کے متعلق تصریح کی۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ (العنکبوت: ۴۵) نماز ہر قسم کی بداخلاقیوں سے انسان کو روکتی ہے۔

روزے کے متعلق فرمایا:

لعلکم تتقون روزے کے ذریعے سے تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ گے۔

زکوۃ کی نسبت بیان کیا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبہ: ۱۰۳)

''ان کے مال ودولت میں سے ایک حصہ بطور صدقہ کے لے لو، کیونکہ تم اس کے ذریعے سے ان کو بخل اور حرص وطمع کی بداخلاقیوں سے پاک وصاف کر سکو گے۔''

احادیث نے اس سے زیادہ تصریح کردی:

الصدقۃ ارساخ المسلمین توخذ من اغنیائھم وتردالی فقرائھم

''صدقہ مسلمانوں کے دل کا میل ہے، ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے محتاجوں کو دے دیا جاتا ہے۔''

اسی طرح خداوند تعالیٰ نے حج کے فوائد ومنافع بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیئے۔

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ (حج: ۲۸) حج کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے فوائد حاصل کریں اور اس کے ساتھ ہی چند مخصوص دنوں میں خدا کو یاد بھی کرلیا کریں۔

حج اور تجارت بین الملی: اس آیت میں قرآن حکیم نے جن فوائد کو حج کا مقصد قرار دیا ہے، ان سے اجتماعی واقتصادی فوائد مراد ہیں اور یہ حج کا ایک ایسا اہم مقصد ہے کہ ابتدا میں جب صحابہ کرامؓ نے دینی مقاصد کے منافی سمجھ کر اسے بالکل چھوڑ دینا چاہا تو اللہ نے ایک خاص آیت نازل فرمائی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (بقرہ: ۱۹۸)

''اس میں تمہارے لیے گناہ کی کوئی بات نہیں کہ (اعمال حج کے ساتھ) تم اپنے پروردگار کے فضل کی تلاش میں بھی رہو (یعنی کاروبار تجارت کا مشغلہ بھی رکھو)''

قرآن حکیم کا عام طرز خطاب یہ ہے کہ وہ جزئیات سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتا۔ اس کی توجہ ہمیشہ اہم باتوں کی طرف مبذول رہتی ہے۔ اس بنا پر خداوند تعالیٰ نے جس قسم کی تجارت کو حج کا مقصد قرار دیا اور اس کی ترغیب وحوصلہ افزائی کی، وہ عرب کی اقتصادی وتمدنی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ تھا۔ عرب اگرچہ ایک بادیہ نشین اور غیر متمدن قوم تھی تاہم معاش کی ضرورتوں نے اسے تمدن کی ایک عظیم الشان شاخ یعنی تجارت کی طرف ابتدا ہی سے متوجہ کر دیا تھا۔ قریش کا قافلہ عموماً شام وغیرہ کے اطراف میں مال لے کر جایا کرتا تھا اور ان لوگوں نے وہاں کے رہنے والوں سے مستقل طور پر تجارتی تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ خود مکہ کے متصل عکاظ، ذوالمجاز وغیرہ متعدد بازار قائم تھے اور وہ حج کے زمانے میں اچھی خاصی تجارتی منڈی بن جاتے تھے۔ پس اہل عرب کو نفس تجارت کی طرف متوجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن اسلام جو عظیم الشان وعالمگیر مدنیت پیدا کرنا چاہتا تھا، اس کی گرم بازاری کے لیے عکاظ، ذوالمجنہ اور ذوالمجاز کی وسعت کافی نہ تھی۔ وہ دنیا کی تمام متمدن قوموں کی طرح تجارت بین الاقوام کا مستقل سلسلہ قائم کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ عنقریب آفتاب اسلام حجاز کی پہاڑیوں سے بلند ہو کر تمام بحروبر پر چمکنے والا ہے۔

پس اس آیت کریمہ میں جن اقتصادی وتجارتی فوائد کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ایک وسیع بین الملی تجارت کا قیام ہے، ورنہ اہل عرب جس قسم کی تجارت کرتے تھے

وہ تو ہر حالت میں قائم رکھی جاسکتی تھی۔ البتہ تجارت بین الاقوام کا سلسلہ بالکل قیام امن وبسط عدل واجتماع عام پر موقوف تھا، اس لیے جب کامل امن وایمان قائم ہوگیا اور حج نے راستے کے تمام نشیب وفراز ہموار کردیے تو اس وقت خدا نے مسلمانوں کو تمدن کی اس منفعت عظیمہ کی ترغیب عام دی۔

مقاصد اعلیٰ وحقیقیہ: لیکن اس تصریح وتوضیح کے علاوہ قرآن حکیم کا ایک طرز خطاب اور بھی ہے جو صرف خواص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ جن مطالب کو عام طور پر ذہن نشین کرنا چاہتا ہے یا کم از کم وہ ہر شخص کی سمجھ میں آسکتے ہیں، ان کو تو نہایت کھلے الفاظ میں ادا کردیتا ہے، لیکن جن مطالب دقیقہ کے مخاطب صرف خواص ہوتے ہیں اور وہ عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے، ان کو صرف اشارات وکنایات میں ادا کرتا ہے۔

مقاصد حج میں تجارت ایک ایسی چیز تھی، جس کا تعلق ہر شخص کے ساتھ تھا اور اس کے فوائد ومنافع عام طور پر سمجھ میں آسکتے تھے، اس لیے خدا نے اس کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا لیکن حج کا ایک اہم مقصد اور بھی تھا، جسے اگرچہ صراحۃ بیان نہیں کیا گیا لیکن قدم قدم پر اس کی طرف اس کثرت سے اشارے کیے کہ اگر ان تمام آیتوں کو جمع کردیا جائے تو کئی صفحے صرف انھی سے لبریز ہوجائیں۔

حقائق ومعارف الٰہیہ کے اظہار میں قرآن حکیم نے عموماً اسی قسم کا طرز خطاب اختیار کیا ہے، جس سے باوجود ابہام کے حقیقت کا چہرہ بالکل بے نقاب ہوجاتا ہے:

وما یعقلها الا العالمون سفر درحقیقت انسانی ترقیوں کے تمام مراحل کا مجموعہ ہے، اس کے ذریعے سے انسان تجارت بھی کرسکتا ہے، علمی تحقیقات بھی کرسکتا ہے۔ جغرافیہ اور سیاحت علمیہ کے فوائد بھی حاصل کرسکتا ہے۔ مختلف قوموں کے تمدن وتہذیب سے آشنا بھی ہوسکتا ہے۔ ان میں باہم ارتباط وعلایق پیدا ہوسکتے ہیں۔ اشاعت مذہب وتبلیغ حق ومعروف کا فرض بھی انجام دے سکتا ہے۔

امت مسلمہ: لیکن ان تمام چیزوں سے مقدم اور ان تمام ترقیوں کا سنگ بنیاد ایک خاص امت مسلمہ اور حزب اللہ کا پیدا کرنا اور اس کا استحکام ونشوونما تھا۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے حج کا مقصد اولین اسی کو قرار دیا تھا:

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ (البقرہ:۱۲۸)

"خدایا! ہم کو اپنا فرمانبردار بنا، ہماری اولاد میں سے اپنی ایک امت مسلمہ پیدا کر اور ہمیں عبادت کے سچے طور طریقے بتلادے اور اگر ہم سے اس فرمانبرداری میں کوئی لغزش ہو تو اس کو معاف فرما۔ تو بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔" لیکن جس قالب میں قومیت کا ڈھانچا تیار ہوتا ہے اس میں وہ قوتیں نہایت شدت اور وسعت کے ساتھ عمل کرتی ہیں، آب وہوا اور مذہب۔

آب وہوا اور مذہب: آب وہوا اور جغرافیائی حدود طبعیہ اگرچہ قومیت کے تمام اجزاء کو نہایت وسعت کے ساتھ احاطہ کرلیتے ہیں، لیکن ان کے حلقۂ اثر میں کوئی دوسری قوم نہیں داخل ہوسکتی۔ یورپ اور ہندوستان کی قدیم قومیت نے صرف ایک محدود حصہ دنیا میں نشوونما پائی ہے اور آب وہوا کے اثر نے ان کو دنیا کی تمام قوموں سے بالکل الگ تھلگ کردیا ہے، لیکن مذہب کا حلقۂ اثر نہایت وسیع ہوتا ہے۔ وہ ایک محدود قطعۂ زمین میں اپنا عمل نہیں کرتا، بلکہ دنیا کے ہر حصے کو اپنی آغوش میں جگہ دیتا ہے۔ کرۂ آب وہوا کا طوفان خیز تصادم اپنے ساحل پر کسی غیر قوم کو آنے نہیں دیتا، مگر مذہب کا ابر کرم اپنے سایے میں تمام دنیا کو لے لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس عظیم الشان قوم کا خاکہ تیار کررہے تھے، اس کا مایۂ خمیر صرف مذہب تھا اور اس کی روحانی ترکیب، عنصر آب وہوا کی آمیزش سے بالکل بے نیاز تھی۔ جماعت قائم ہوکہ اگرچہ ایک محسوس مادی شکل میں نظر آتی ہے، لیکن درحقیقت اس کا نظام ترکیبی بالکل روحانی طریقے پر مرتب ہوتا ہے، جسے صرف جذبات وخیالات بلکہ عام معنوں میں صرف قوائے دماغیہ کا اتحاد واشتراک ترتیب دیتا ہے۔

رابطۂ اتحاد کا سررشتہ: اس بنا پر اس قوم کے پیدا ہونے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مذہبی رابطۂ اتحاد کا سررشتہ مستحکم کیا۔

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (بقرہ:۱۳۱-۱۳۲)

"جب ابراہیم سے اس کے خدا نے کہا کہ صرف ہماری ہی فرمانبرداری کرو، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں پروردگار عالم کی فرمانبرداری قبول کرتا ہوں۔ پھر اسی طریقہ اسلامی کی انھوں نے اور یعقوب نے اپنی نسل کو وصیت کی اور کہا کہ خدا نے تمہارے لیے ایک نہایت برگزیدہ دین منتخب کردیا ہے۔ تم اس پر عمر بھر قائم رہنا اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔"

نشئۃ اولیٰ: لیکن جماعت عموماً اپنے مجموعۂ عقاید کو مجسم طور پر دنیا کی فضائے بسیط میں دیکھنا چاہتی ہے اور اس کے ذریعے سے اپنی قومیت کا قدیم عہد مودت تازہ کرتی ہے، اس لیے انھوں نے اس جدید النشئہ قومیت کے ظہور وتکمیل کے لیے ایک نہایت مقدس اور وسیع آشیانہ تیار کیا۔

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ (البقرہ:۱۲۷)

"جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیاد ڈال رہے تھے تو یہ دعا ان کی

زبانوں پر تھی خدایا ہماری اس خدمت کو قبول کرلے تو دعاؤں کا سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔''

یہ صرف اینٹ پتھر کا گھر نہ تھا بلکہ ایک روحانی جماعت کے قالب کا آب وگل تھا، اس لیے جب وہ تیار ہوگیا تو انھوں نے اس جماعت کے پیدا ہونے کی دعا کی ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک اب یہ قوم پیدا ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آخری وصیت کے ذریعے سے اس روحانی سررشتۂ حیات کو اس کے حوالے کردیا:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۲)

''اور ابراہیم اور یعقوب دونوں نے اس روحانی طریقہ نشوونما کی اپنے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ خدا نے تمہارے لیے ایک برگزیدہ دین منتخب فرمادیا ہے۔ تم اسی پر قائم رہنا۔''

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ م بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۳)

''اور پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سر پر موت آکھڑی ہوئی اور اس آخری وقت میں انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد کس کی پوجا کروگے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تیرے مقدس باپ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار بندے ہیں۔''

آثار قائمہ وثابتہ: اگرچہ یہ جماعت دنیا میں موجود نہ تھی اور اس کے آثار صالحہ کو زمانے نے بے اثر کردیا تھا۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (البقرہ:۱۳۴)

''وہ قوم گزرگئی، اس نے جو کام کیے اس کے نتائج اس کے لئے تھے اور تم جو کچھ کروگے اس کے نتائج تمہارے لیے ہوں گے۔''

لیکن اس کی تربیت اور نشوونما کا عہد قدیم اب تک دست برد زمانہ سے بچا ہوا تھا اور اپنی آغوش میں مقدس یادگاروں کا ایک وسیع ذخیرہ رکھتا تھا۔ اس کے اندر اب تک آب زمزم لہریں لے رہا تھا، صفا ومروہ کی چوٹیوں کی گردنیں اب تک بلند تھیں، مذبح اسماعیل اب تک مذہب کے گرم خون سے رنگین تھا، حجر اسود اب تک بوسہ گاہ خلق تھا، مشاعر ابراہیم اب تک قائم تھے۔ عرفات کے حدود میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ غرض اس کے اندر خدا کے سوا سب کچھ تھا اور صرف اسی کے جمال جہاں آراء کی کمی تھی۔

ابراہیمی دعا کا آخری نتیجہ: اس لیے اس کی تجدید و نفخ روح کے لیے ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا سب سے آخری نتیجہ ظاہر ہوا۔ انھوں نے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھتے ہوئے دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:۱۲۹)

''خدایا ان کے درمیان انھی لوگوں میں سے ایک پیغمبر بھیج کہ وہ ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کردے۔ بلاشبہ تو بڑا صاحب اختیار اور صاحب حکمت ہے۔''

چنانچہ اس کا ظہور وجود مقدس حضرت رحمۃ للعالمین وختم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی صورت میں ہوا، جو ٹھیک ٹھیک اس دعا کا پیکر ومثل تھا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ:۲)

''وہ خدا جس نے ایک غیر متمدن قوم میں سے اپنا ایک رسول پیدا کیا جو اللہ کی آیات سناتا ہے۔ اس کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور: پس انھوں نے جو قوم پیدا کردی تھی، اس کے اندر سے ایک پیغمبر اٹھا۔ اس نے اس گھر میں سب سے پہلے خدا کو ڈھونڈنا شروع کیا، لیکن وہ اینٹ پتھر کے ڈھیر میں بالکل چھپ گیا تھا۔ فتح مکہ نے اس انبار کو ہٹادیا تو خدا کے نور سے قندیل حرم پھر روشن ہوگئی۔ وہ قوم جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی، اس پیغمبر کے فیض صحبت سے بالکل مزکی وتربیت یافتہ ہوگئی تھی۔ اب ایک مرکز پر جمع کرکے اس کے مذہبی جذبات کو صرف جلا دینا باقی تھا چنانچہ اسے خانہ کعبہ کے اندر لاکر کھڑا کردیا گیا اور اس کی مقدس قدیم مذہبی یادگاروں کی تجدید واحیا سے اس کے مذہبی جذبات کو پختہ ومستحکم بنادیا۔ کبھی ان سے کہا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ:۱۵۸) ''صفا ومروہ خدا کی قائم کی ہوئی یادگاریں ہیں پس جو لوگ حج یا عمرہ کرتے ہیں ان پر ان دونوں کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' کبھی ان کو مشعر حرام کی یاد دلائی گئی۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (البقرہ:۱۹۸) ''جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے نزدیک خدا کی یاد کرو۔''

خانہ کعبہ خود دنیا کی سب سے قدیم یادگار تھی، لیکن اس کی ایک ایک یادگار

کونمایاں ترکیا گیا: فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ (آل عمران:۹۷)

اس میں بہت سی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک نشانی حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔لیکن جولوگ خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے۔ان کے نقش پا سجدگاہ خلق ہونے کے مستحق تھے۔اس لیے حکم دیا گیا۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرہ:۵۲۱)

"اور ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو اپنا مصلی بنالو۔"

روحانی یادگاریں: مادی یادگاروں کی زیارت صرف سیر وتفریح کے لیے کی جاتی ہے، لیکن روحانی یادگاروں سے صرف دل کی آنکھیں ہی بصیرت حاصل کرسکتی ہیں۔اس لیے ان کے ادب واحترام کو اتقاوتبصرہ کی دلیل قرار دیا گیا:

وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (حج:۲۳)

"اور جولوگ خدا کی قائم کی ہوئی یادگاروں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ تعظیم ان کے دلوں کی پرہیزگاری پر دلالت کرتی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدس یادگاروں کے روحانی اثر ونفوذ کو دلوں میں جذب کرادینا چاہتے تھے۔اس لیے خاص طور پر لوگوں کو ان کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

هذه مشاعر ابيكم ابراهيم خوب غور سے دیکھو اور بصیرت حاصل کرو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم کی یادگاریں ہیں۔

اتمام نعمت: جب اسلام نے اس جدید النشئۃ قوم کے وجود کی تکمیل کردی اور خانہ کعبہ کی ان مقدس یادگاروں کی روحانیت نے اس کی قومیت کا شیرازہ مستحکم کردیا تو پھر ملت ابراہیمی کی فراموش کردہ روش دکھادی گئی:

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران:۵۹)

"پس ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو جو صرف ایک خدا کے ہو رہے تھے اور یقینا ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔"

اب تمام عرب نے ایک خط مستقیم کو اپنا مرکز بنالیا اور قدیم خطوط حرف غلط کی طرح مٹادیے گئے جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اس کے بعد خدائے ابراہیم واسماعیلؑ کا سب سے بڑا احسان پورا ہوگیا۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے اس دین کو کامل کردیا جس نے تم کو ایک قومیت کے رشتے میں منسلک کردیا ہے اور اپنے تمام احسانات تم پر پورے کردیے اور تمہارے لیے صرف ایک دین اسلام ہی کو منتخب کیا۔"

صفحہ نمبر ۱۰ کا بقیہ)

کیوں کہ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے مصالح اور سارے امور کے انجام کو خوب جانتا ہے؛ چنانچہ وہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہی ان کے حق میں بہتر ہے: {وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ}"اور وہ بڑی حکمتوں اور پورے علم والا ہے" [سورۃ التحریم (2)

5-صفتِ علم پر ایمان رکھنے والے صرف اللہ تعالیٰ سے لولگاتے ہیں، اسی سے محبت کرتے، اسی سے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں اور مصیبت کے وقت اسی کو پکارتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا اس بات پر اعتقاد ہوتا ہے کہ وہی ان کی دعاؤں کو سننے والا ہے، اوران کے حالات سے واقف ہے: {وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ}"اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے" [سورۃ البقرہ(137)

رابعاً: صفتِ علم کے تقاضے:

اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ علم یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم ذاتی صفت ہے؛ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چھوٹی بڑی چیزوں سے واقف اور باخبر ہے: {أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ}"کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو" [سورۃ الملک(14)

اوراس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے: {إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ}"یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں" [سورۃ آل عمران(5)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ويعلم كل شيء، ولا يخفى عليه من ذلك شيء، وهو على العرش فوق السماء السابعة" اور اسے ہر چیز کا علم حاصل ہے، اور اس پر مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے، اور وہ ساتویں آسمان او پر عرش پر مستوی ہے [دیکھیں: المسائل والرسائل المروية عن الإمام أحمد بن حنبل في العقيدة (1/ 284)

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اور اس پر کوئی بھی چیز پوشیدہ ہو بھی نہیں سکتی ہے؛ تو اسی کو پکارا جائے، اسی سے محبت کی جائے، اسی سے لو لگایا جائے، اسی سے امیدیں وابستہ رکھی جائیں، اور اسی کے عذاب وعقاب سے ڈرا جائے؛ یہی مؤمنین کی علامت ہے: {وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا} وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے [سورۃ الاسراء(57)

روزہ ہمیں کیا سکھانے آیا تھا؟

مولانا ابومعاویہ شارب بن شاکر السلفی

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی من لانبی بعدہ۔أمابعد:

محترم قارئین!

اللہ رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں رمضان کے مہینے سے نوازا اور پھر اس ماہ مبارک میں روزہ رکھنے اور دیگر عبادتوں کو انجام دینے کی توفیق بخشی۔۔۔فللہ الحمد حمدا کثیرا و لہ الشکر۔۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رب العالمین نے روزے کا جو مقصد بیان کیا ہے تو کیا ہم نے روزے کے اس مقصد "لعلکم تتقون" کو پالیا ہے؟ کیا ہم متقی بن پائے؟ کیا روزے نے ہمارے اوپر اثر کیا؟ روزے سے ہم نے کیا سیکھا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب لینا ہم سب پر لازم ہے کہ ہم نے ایک مہینہ بھوک و پیاس کی شدت میں گزارا، روزے رکھے، قیام اللیل کئے، قرآن کی تلاوت کی، صدقہ وخیرات کئے، زکاۃ نکالی، رب کے حضور عاجزی وانکساری کی، دعاؤں میں رویا، گڑگڑایا، طاق راتوں میں اپنی نرم وگداز بستروں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے عبادت وبندگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی غرض کہ رب کو راضی کرنے میں ہم سب نے جی توڑ محنت کی ہے تو جب ہم نے عبادتوں کو انجام دینے میں اتنی محنت کی ہے اور رب ذوالجلال والاکرام نے روزے کا مقصد تقوی وپرہیزگاری بتایا ہے تو کیا ہم پریکٹس لینے اور دینے کے بعد منشائے رب ذوالجلال والاکرام کو پالیا؟ کیا ہم نے اپنے آپ کو متقین کے زمرے میں داخل کروالیا؟ کیا ہم سے رب راضی ہوا؟ کیا ہمارا دل حلال پر مطمئن اور حرام سے بیزار ہوا؟ کیا ہم نے شریعت محمدی کو دل وجان سے لگالیا؟ کیا ہم نے عصیان وطغیان کا راستہ چھوڑ کر صراط مستقیم کو اپنا لیا؟ کیا ہم نے اپنے نفس کو اللہ اور اس کے رسول کا غلام بنالیا؟ کیا ہم نمازی بن گئے؟ کیا ہمارے دل میں اللہ کا خوف جاگا؟ کیا ہمارے اندر خیر کا جذبہ بیدار ہوا؟ کیا ان سارے سوالوں کے جوابات ہمارے پاس اثبات میں ہیں؟ اگر ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ روزے نے ہم پر اپنا اثر ڈالا ہے اور ہم نے روزے کے مقصد کو کسی حد تک حاصل کرلیا ہے پس اللہ کا شکر بجالائیں اور اگر ان سارے سوالوں کے جوابات نفی میں ہیں تو جان لیجئے کہ ہم نے منزل پائے بغیر ہی ایک مہینے کے کٹھن ایام کی مسافت کو طے کردیا!

کہیں ہمارا شمار ان لوگوں میں سے تو نہیں جن کے بارے میں پیارے حبیب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ (وفی راویۃ:الاالظمأ) وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ" کتنے ایسے روزے دار ہیں جنہیں سوائے بھوک وپیاس کے کچھ ملنے والا نہیں (اعاذنا اللہ) اور کتنے ایسے قیام اللیل کرنے والے ہیں جنہیں سوائے رات میں جاگنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہونے والا ہے۔(صحیح ابن ماجہ للألبانی: 1690، المشکاۃ للألبانی:2014) کیا ہم نے غور وفکر کیا کہ کہیں ہمارا شمار انہیں لوگوں میں سے تو نہیں!

کہیں ہم ان بدبختوں میں سے تو نہیں (اللھم احفظنا) جن کے اوپر جبرئیل امین نے بددعا کرتے ہوئے کہا کہ "مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَأُدْخِلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ" جس شخص نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوسکی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں گیا تو اللہ ایسے انسان کو ہلاک وبرباد کرے، اس بددعا پر حبیب کائنات نے آمین کہا۔(صحیح الترغیب للألبانی: 997) ہم نے خوشی خوشی عیدمنالی، نئے کپڑے پہن لئے، کیا لمحے بھر کے لئے بھی ہمارے دماغ میں یہ کھٹکا آیا کہ ہماری مغفرت ہوئی کہ نہیں! سوچئے! غور وفکر کیجئے! روزے سے ہم نے کیا حاصل کیا؟ اب آیئے ہم آپ کے سامنے میں روزے کے کچھ اہم اسباق کو بیان کرتے ہیں:

1۔کیا روزے رکھ کر ہم نے اپنے نفس کو ضبط کرنے کا سبق لیا؟ کیا ہم نے اپنے آپ کو اپنے نفس کی غلامی سے آزادی دلائی؟ اگر نہیں تو پھر ہم نے ایک مہینہ ایک ایسا درخت لگایا جو بے ثمر ثابت ہوا کیونکہ روزہ انسان کے نفس وجسم کے تین اہم بنیادی مطالبے (1) غذا کا مطالبہ (2) صنفی مطالبہ (3) آرام کا مطالبہ پر حددرجہ بریک لگاتا ہے، یہ نفس کے تین ایسے پھندے ہیں جو ایک انسان کو اپنا غلام بنالیتے ہیں، غذا کا مطالبہ ایک انسان کو بندۂ شکم بنادیتا ہے، صنفی جذبہ ایک انسان کو حیوانیت کے اسفل السافلین میں پہنچادیتا ہے، اور جسم کے آرام کی طلبی سے ایک انسان کے اندر قوت ارادی ویقیں محکم کی کوئی طاقت باقی نہیں رہتی، روزہ ان ہی تین خواہشوں کو اپنے ضابطۂ گرفت میں لیتا ہے، یہ مشق، یہ پریکٹس صرف ایک دن کی نہیں بلکہ پورے تسلسل کے ساتھ 29 یا 30 دن کے ایام، 720 گھنٹے کے لئے یہ پروگرام من جانب اللہ محض اس لئے دیا جاتا ہے کہ مومن نفس کے ان تین سب سے زیادہ زوردار حربوں کا مقابلہ کرکے وہ اپنے سارے ہی سفلی جذبات وخواہشات پر قابو پالے، اس کے نفس کا عنان اقتدار، لامتناہی خواہشات کی باگ ڈور اس کے اپنے ہاتھ میں ہو، ہمیشہ یہ غالب رہے اور اس کا نفس مغلوب، جسے یہ مقصد حاصل نہ ہوا اس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بھوک وپیاس اور رات میں جاگنے کی تکلیف

دی،قرآن بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا“ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔(الشمس:10-9)

نہنگ واژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا گر نفس امارہ کو مارا

مولانا ابوالحسن ندویؒ اپنی ایک تحریر میں رقمطراز ہیں کہ یہ روزہ دراصل اخلاقی تربیت گاہ ہے جہاں سے آدمی کامل ہوکر اس طرح نکلتا ہے کہ خواہشات کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، خواہشات اس پر حکومت نہیں کرتیں بلکہ وہ خواہشات پر حکومت کرتا ہے، جب وہ محض اللہ کے حکم سے مباح اور پاک چیزوں کو ترک کردیتا ہے تو ممنوعات اور محرمات سے بچنے کی کوشش کیوں نہ کرے گا جو شخص ٹھنڈے میٹھے پانی اور پاکیزہ ولذیذ غذائیں خدا کی فرمانبرداری میں چھوڑ سکتا ہے وہ حرام اور نجس چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کیسے گوارہ کرسکتا ہے اور یہی ”لعلکم تتقون“ کا مفہوم ہے۔گویا کہ جس مسلمان نے روزے کی حالت میں حلال وجائز چیزوں کو چھوڑ دیا تھا مگر بعد رمضان حرام چیزوں کو نہ چھوڑ سکا تو وہ روزے کی مقصد سے محروم رہا۔

2۔کیا روزہ رکھ کر ہم نے کم کھانا سیکھ لیا ہے:روزے کا ایک بہت بڑا مقصد انسان کو بھوک پر کنٹرول سکھانا اور زیادہ کھانے سے پرہیز کرنے کا درس وسبق دینا ہے، آج میڈیکل سائنس نے بھی یہ ثابت کردیا ہے کہ زیادہ کھانے سے ہی طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہے اور بسیارخوری جہاں ایک انسان کے لئے دنیا میں ہلاکت کا سبب ہے وہیں پر دوسری طرف شریعت کی نظر میں بھی یہ ایک بری چیز ہے یہی وجہ ہے کہ حبیب کائنات ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ ایسے لوگ بہت برے ہیں جو صرف طرح طرح کے لذیذ کھانوں کو پیچھے پڑے رہتے ہیں (الصحیحۃ للألبانی رحمہ اللہ: 1891) صرف اتنا ہی نہیں ایک دوسری حدیث کے اندر حبیب کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ آج زیادہ کھانے کے پیچھے بھاگتے ہیں ایسے لوگ ہی کل قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے رہیں گے۔(ترمذی:2478)

دنیا وآخرت کی انہیں سب خرابیوں کی وجہ سے ہی آپ ﷺ نے اپنی امت کو بسیار خوری سے اجتناب کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ حَسْبُ الْآدَمِيِّ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ غَلَبَتِ الْآدَمِيَّ نَفْسُهُ فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ“ آدمی پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا، ایک آدمی کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں ویسے اگر آدمی پر اس کا نفس غالب آجائے اور وہ کچھ زیادہ کھانا چاہے تو وہ معدے کا ایک تہائی حصہ خوراک سے بھرے، ایک تہائی حصہ پانی سے بھرے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لئے چھوڑے۔(ابن ماجہ:3349،الصحیحۃ للألبانی رحمہ اللہ:2265)

محترم قارئین! یہ بات نبئ اکرم ومکرم ﷺ نے چودہ سوسال پہلے بیان کئے ہیں مگر آج کی میڈیکل سائنس کیا کہتی ہے ذرا وہ بھی دیکھئے اور سنئے: میڈیکل سائنس کا کہنا ہے کہ ایک انسان کے معدے کا اوپری حصہ یعنی فنڈس fundus)) اپنی پوزیشن کے اعتبار سے ڈایا فرام diaphragm)) کے ٹھیک بالکل نیچے واقع ہوتا ہے جو کہ پھیپھڑوں کو حرکت دینے اور سانس لینے کے لئے سب سے اہم حصہ muscle)) ہوتا ہے۔اور اگر کوئی انسان اپنے معدے کو کھانے سے مکمل طور پر اگر بھر لیں تو اس صورت میں اسے ڈایافرام diaphragm)) کو حرکت کرنے میں مشکل پیش آتی ہے جس کی وجہ سے ایک انسان کو ایسی صورت میں سانس لینے میں دشواری پیش آتی ہے۔(روزے کے روحانی وطبی فائدے از ڈاکٹر گوہر مشتاق)۔سبحان اللہ۔کم کھانے کی جو حکمت حبیب کائنات ﷺ نے آج سے چودہ سال پہلے بتائے تھے آج اس کی قدر وقیمت ایک انسان کو معلوم ہورہی ہے اور یقینا آپ ﷺ کا ہر حکم انسان کی فلاح وبہبود کے لئے ہی ہے، اسی لئے میرے دوستو کم کھائیں اور صحت مند رہیں۔

3۔کیا روزے رکھنے کی وجہ سے ہم پنج وقتہ نمازی بن پائے؟روزے کا مقصد قرآن نے تقوی بتایا ہے اور متقین کی یہ صفت بھی قرآن نے بتادی ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اب بعد رمضان اگر ہم نمازوں کی پابندی کررہے ہیں تو الحمدللہ اچھی بات ہے اور اگر نہیں تو جان لیجئے کی ہماری بھوک وپیاس کی عنداللہ کوئی حقیقت نہیں، اگر ہم نمازی بن نہ پائے تو ہمارے یہ روزے، ہمارے یہ قیام اللیل سب رائیگاں وبیکار ہیں، مچھر کے پر کے وزن کے برابر بھی عنداللہ کوئی وزن نہ ہوگا کیونکہ کل بروز قیامت سب سے پہلے نماز کے بارے میں ہی سوال ہوگا جیسا کہ محبوب خدا ﷺ نے فرمایا کہ ”إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ“ بے شک ایک انسان سے اس کے تمام عملوں میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا، اب اگر اس کے نماز کا معاملہ صحیح رہا تو وہ انسان کامیاب وکامران ہوگا اور اگر اس کے نماز کا معاملے میں کمی پائی گئی تو وہ انسان نقصان اٹھائے گا اور ہلاک وبرباد ہوگا۔(ترمذی:413 صحیح الألبانی رحمہ اللہ)

غور کیجئے نماز ہے تو آخرت کا معاملہ سب ٹھیک ٹھاک ہے اور اگر نماز ہی نہیں تو پھر ہر عبادت بیکار ورائیگاں ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ ”اَلصَّلَاةُ ثَلَاثَةُ أَثْلَاثٍ اَلطَّهُورُ ثُلُثٌ وَالرُّكُوعُ ثُلُثٌ وَالسُّجُودُ ثُلُثٌ فَمَنْ أَدَّاهَا بِحَقِّهَا قُبِلَتْ مِنْهُ وَقُبِلَ مِنْهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَمَنْ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ رُدَّ عَلَيْهِ سَائِرُ عَمَلِهِ“ نماز تین حصوں پر مشتمل ہے، ایک تہائی حصہ وضو وطہارت ہے، اور ایک تہائی حصہ رکوع ہے اور ایک تہائی حصہ سجدے ہیں، پس جس شخص نے بھی نماز کو اس کے تمام حقوق یعنی تمام ارکان وواجبات کے ساتھ ادا کیا تو اس کی نماز

بھی قبول کی جائے گی اور ساتھ میں اس کی تمام عبادتیں بھی قبول کی جائیں گی اور جس کی نمازیں قبول نہ کی گئیں تو اس کی تمام عبادتیں رائیگاں و بیکار ہے۔ (الصحیحة:2537) کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جنہوں نے رمضان کے بعد نماز کو چھوڑ دیا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان ایک ماہ مسلسل فرائض ونوافل نمازوں کی پابندی کرنے کے بعد عید کے بعد نیکیوں کی اس عادت کو ترک کردیتا ہے اوراسی کے برعکس اگر کوئی مسلمان صرف ہفتہ، دس دن ہی اگر کوئی برا کام کرے مثلا سگریٹ نوشی کریا اور آپ اس سے کہیں کہ بھائی یہ بری چیز ہے چھوڑ دے تو وہ انسان فورا یہ کہے گا کہ کیا کریں بھائی صاحب اس کی عادت پڑ گئی ہے، نہیں چھوٹ رہی ہے، سبحان اللہ کیسی بہانے بازی ہے ایک چیز جو مسلسل مہینہ چلتی رہی اس کی عادت نہیں ہوئی اور ایک چیز جو صرف آٹھ، دس دن میں آئی اس کی عادت ہوگئی۔

محترم قارئین! ذرا سوچئے کہ ہم نے رمضان میں ایک مہینے مسلسل نفل نماز یعنی تراویح کے لئے گھنٹے رب کے حضور کھڑے رہے، دن بھر کی تھکاوٹ کے باوجود ہم نے آرام کو چھوڑ کر رب کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر افسوس کہ اب ہم فرض نمازوں کے لئے دس منٹ نہیں کھڑے ہوسکتے، ایسا کیوں؟ بھلا فرض کے مقابلے میں نفل کہاں، اللہ ہم سے پہلے فرض نمازوں کے بارے میں سوال کرے گا نہ کہ نفل نمازوں کے بارے میں! کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے ایک مہینے نفل نماز ادا کرکے اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دی کہ چلو یہ تو ادا کرلیں بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یاد رکھیں یہ شیطانی حربے اور اس کے پھندے ہیں کہ اس نے بڑی ہی چالاکی سے ہماری محنت پر پانی پھیر دیا۔

4۔کیا قرآن سے آپ نے کچھ سبق لیا: ہم نے رمضان میں کئی قرآن ختم کئے ہوں گے، مگر کیا اس تلاوت کلام پاک سے ہماری زندگی میں انقلاب آیا؟ کیا تلاوت قرآن سے ہمارے ایمان میں زیادتی ہوئی؟ کیا ہم نے تلاوت سے اپنے ازلی دشمن کو پہچانا؟ کیا ہم شیطان ملعون کے مکروفریب کے سے واقف ہوگئے؟ کیا ہمارے اندر اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا ہوا؟ کیا ہم نے دوران تلاوت حلال وحرام کو جانا؟ کیا ہم قرآن پڑھ کر صراط مستقیم پر گامزن ہوگئے؟ کیا ہم نے قرآن کو اپنا امام بنایا؟ اگر نہیں تو یاد رکھئے یہی قرآن کل بروز قیامت ہمارے خلاف دربار الہی میں مقدمہ دائر کرے گا، فرمان نبوی ﷺ ہے "وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ" قرآن تمہارے حق میں گواہی دے گا یا پھر تمہارے خلاف۔ (صحیح ابن ماجه للألبانی رحمہ اللہ: 280) یاد رکھیں آج اگر ہم نے تلاوت کرکے اسے غلاف میں ڈال کر بند کرکے رکھ دیا اور اس کے مطابق زندگی نہ گزاری تو کل یہی قرآن ہمیں جہنم میں ہانک کرلے جائے گا، فرمان نبوی ﷺ ہے "وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ إِلَى النَّارِ" یعنی جس نے اس قرآن کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اسے یہ قرآن جہنم میں داخل کرکے ہی رہے گا۔ (الصحيحة للألبانی:2019)

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

5۔کیا روزے رکھنے کی وجہ سے ہمارے دلوں کے اندر اللہ کا ڈروخوف پیدا ہوا؟ کیا ہمارے دلوں میں تقوی وللٰہیت پیدا ہوئی؟ کیا ہمارے خلوت وجلوت کی محفلیں یکساں ہوئیں؟ کیا ہمارا ظاہر وباطن پاک وصاف ہوا؟ اگر نہیں تو پھر جان لیں کہ سوائے بھوک وپیاس برداشت کرنے کے ہمارے رجسٹر میں کچھ بھی شامل نہیں ہوا! ذرا سوچیں کہ سخت گرمی کی تپش بھی ہے، پیاس بھی لگی ہے، منہ میں وضو کے دوران پانی بھی موجود ہے مگر ہم نے اپنے اللہ کو حاضر وناظر سمجھ کر ایک گھونٹ نہیں لیا بلکہ پانی کی تری کو بھی تھوک دیا، پے درپے ایک مہینے تک ہماری یہ حالت رہی مگر رمضان ختم ہوتے ہی ہماری دلوں کی کیفیت بدل گئی، کیوں؟

6۔کیا روزے رکھ کر ہم نے یہ سیکھا اور جانا کہ اپنی تمام عبادتوں میں اخلاص رکھنا ضروری ہے؟ اگر نہیں تو عبث وبیکار ہے کیونکہ روزے کی حالت میں ہمارے اندر ہر وقت یہ احساس رہتا تھا کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر رب دیکھ رہا ہے، اب ہمارے دلوں کے اندر ایسا احساس نہیں آخر کیوں؟

7۔کیا ہم نے روزے رکھ کر اپنی آزادی اور خود مختاری سے دستبرداری اختیار کرکے اللہ کی حاکمیت کا اعتراف کرلیا ہے؟ کیا ہمارے اندر احساس بندگی کا شعور پیدا ہوا؟ کیا ہمارے اندر اطاعت الہی کا جذبہ پیدا ہوا؟ کیا ہم ہمیشہ کے خیر وبر کے عادی بن گئے؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے روزے کا ہمارے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا! کیونکہ روزے کی حالت میں ایک مسلمان اپنی تمام خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر وہی کرتا ہے جو اس کے رب کا حکم ہے۔

8۔کیا ہم نے ایک مہینے کے روزے سے اپنی زبان کو کنٹرول اور قابو میں رکھنا سیکھ لیا، جھوٹ بولنا بند کیا، گالی گلوچ بند کی، فحش وبیہودگی کو چھوڑ دیا؟ اگر نہیں تو پھر ہم روزے کے مقصد سے محروم رہے، کیونکہ روزہ یہ صرف کھانے پینے کو چھوڑ دینے کا نام نہیں جیسا کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ "لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الأَكْلِ وَالشُّرْبِ إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ" یعنی روزہ صرف کھانے پینے چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ تو ہر بےہودہ کام اور فحش ومنکر چیزوں سے بچنے کا نام ہے۔ (صحیح الترغیب للألبانی: 1082) اب اگر ہم نے اپنے آپ کو ہر طرح کی بیہودگی سے بچالیا ہے تو خیر ورنہ ہمارے روزے صرف بھوک وپیاس کے تھے، کیونکہ ہمارے آقا پیارے حبیب ﷺ نے فرمادیا ہے کہ "مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ" یعنی جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالی کو کوئی ضرورت نہیں کہ ایسا شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری: 1903)

9۔کیا روزے کو رکھ کر ہم نے اپنے آپ کو ہر قسم کی بداخلاقی سے بچنے کی

تربیت لے لی ہے؟ کیا ہم نے غصے کو پینے کا درس لے لیا ہے؟ کیا ہم نے غیض وغضب، لعنت وملامت کو ترک کرنے کا عہد لے لیا ہے؟ اگر نہیں تو ہم نے روزے کی اصلیت کو سمجھا ہی نہیں اور اسے یوں ہی گنوا دیا کیونکہ فرمان نبوی ﷺ میں اس بات پر زور دی گئی ہے کہ اگر کوئی تم سے بحالت روزہ کوئی لڑائی جھگڑا کرے یا لڑائی جھگڑا کرنے پر آمادہ کرے تو اسے ''إِنِّي صَائِمٌ'' کہنا چاہئے گویا کہ روزہ آدمی کے اندر قوت برداشت کا مادہ پیدا کرتا ہے اور یہ سبق دیتا ہے کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرے تو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آو۔

10۔ کیا ہم نے روزے کو رکھ کر انسانیت کی ہمدری کا سبق لیا؟ اگر نہیں تو ہم روزے کی روحانی فوائد سے بے بہرہ ہیں! ذرا سوچیں جس طرح روزے کی حالت میں ہمیں بھوک وپیاس کی شدت وتکالیف کا سامنا رہا ٹھیک اسی طرح سماج ومعاشرے میں ایسے کتنے غریب ولاچار افراد موجود ہوتے ہیں جنہیں ہمیشہ بھوک وپیاس کا سامنا رہتا ہے، جو ہماری حالت رمضان میں دن کے 14 یا 15 گھنٹے رہتی تھی کیا وہی حالت ہمارے آس پڑوس میں کچھ غریبوں کی تو نہیں اور ہم ان کی حالت سے لاپرواہ ہیں، یادرکھیں روزہ یہی احساس جگاتا ہے کہ تکالیف کو انسان محسوس کرکے دوسروں کی خبر گیری کرے۔

11۔ کیا ہم نے روزے رکھ کر حرام چیزوں کو چھوڑنے کا سبق لیا؟ اگر نہیں تو پھر ہم نے اپنی محنت پر خود سے پانی پھیر دیا! ذرا سوچیں کہ جب ہم نے اللہ کی رضاوخوشنودی کے لئے جائز ومباح اور حلال چیزوں کو روزے کی حالت میں چھوڑ دیا تھا تو پھر اب حرام چیزوں کو کیوں نہیں چھوڑتے؟ جس رب نے دوران روزہ حلال کو حرام کیا تھا اسی رب نے ہم پر کچھ چیزیں حرام بھی کی ہیں، جب وہ ترک کرسکتے تو یہ کیوں نہیں ترک کرسکتے؟ دراصل ہم نے روزے کے روحانی مقصد کو جانا ہی نہیں بلکہ رسماً ہم نے بھوک وپیاس کی شدت کو برداشت کیا۔

12۔ کیا روزے رکھنے کی وجہ سے ہم نے وقت کی اہمیت کو سمجھا؟ اگر نہیں تو ہم نے دراصل روزے کے مقصد کو جانا نہیں! ہمارے اوپر روزے کا ایک اثر یہ بھی ہونا چاہئے کہ ہم وقت کا قدرداں بن جائیں! ذرا سوچیں کہ ہم نے رمضان کے مہینے میں اپنی مصروف ترین زندگی سے وقت کو نکالا، کاروبار کو چھوڑ کر نمازوں کو اس کے وقت پر ادا کیا، ٹھیک وقت پر سحر وافطار کیا، مگر اب ہم ویسے وقت کا خیال نہیں رکھ پارہے ہیں جیسے کل رمضان میں رکھ پاتے تھے، آخر کیوں؟ کل رمضان میں ہم نے وقت کو مات دے دی تھی اور آج ہم خود وقت کی تلوار سے کٹ گئے، کیوں؟ ایک مہینے وقت کا اہتمام کرکے بھی بے وقت ہوگئے، ظہر پڑھی تو عصر نہیں، مغرب پڑھے تو عشاء نہیں، سحر کے لئے کل تین بجے اٹھ جاتے تھے مگر آج فجر کے لئے نیند سے بیدار نہیں ہوتے، آخر کیوں؟

یادرکھیں! رمضان وعید کے اوقات، سحر وافطار کے اوقات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہماری زندگی ہمیشہ وقتوں کے حساب سے گزرنی چاہئے، جس طرح سے بے وقت روزہ کھولنے والے کا روزہ نہیں ہوسکتا اسی طرح سے جو بے وقت ہوگیا وہ انسان کبھی بھی کسی بھی میدان میں چاہے دنیا ہو یا آخرت کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

13۔ کیا روزے رکھنے کی وجہ سے ہمارے اندر استقامت، عزم وحوصلہ، قوت فولاد، مصائب ومشکلات سے سامنا کرنے کا مادہ پیدا ہوا؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے لئے لمحۂ فکر یہ ہے! ذرا سوچیں کہ اپریل ومئی کے مہینے کی دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت نے بھی ہمیں روزہ توڑنے نہ دیا، ہمارے ایمان کے آگے یہ گرمی بھی کچھ کام نہ آئی پھر آج ہمیں کیا ہوا کہ ہمارے اندر وہ عزم واستقلال نہیں جو کل تھا! جادۂ حق سے ہم ہٹ گئے، نمازی سے ہم بے نمازی بن گئے، کہیں ہم نے اپنے ہاتھ سے ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی تو نہیں ماری۔

14۔ کیا رمضان کے مہینے سے ہم نے وحدت کا سبق لیا؟ کاش کہ امت مسلمہ نے رمضان کے مہینے سے وحدت کا سبق لیا ہوتا تو آج امت مسلمہ یوں نہ پارہ پارہ ہوتی کیونکہ پورے عالم میں جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے اور بستے ہیں وہ فرض روزے صرف رمضان کے مہینے میں ہی چاند دیکھ کر رکھتے ہیں! امیر وغریب سب ایک ساتھ روزے کی شروعات رمضان سے اور اختتام شوال سے کرتے ہیں! امیر ہو یا غریب، مشرق کا رہنے والا ہو یا پھر مغرب کا سب کے سب روزے کی شروعات صبح صادق سے کرتے ہیں اور اختتام غروب آفتاب پر کرتے ہیں! کاش کہ ہم مسلمانوں نے ان سب چیزوں پر غور وفکر کیا ہوتا تو آج اتنے اختلاف میں نہ پڑے ہوئے ہوتے۔ کیا ہی خوب کہا تھا علامہ اقبال نے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اپیل

رسائل وجرائد کے مالکان ومدیر حضرات سے مودبانہ گذارش ہے کہ وہ اب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق ناظم عمومی مولانا عبدالوہاب خلجیؒ کے دریا گنج، نئی دہلی والے پتہ پر اپنے رسائل وجرائد نہ ارسال کریں کیوں کہ اب ان کی فیملی کے ممبران اس جگہ سے منتقل ہو رہے ہیں۔

(اعلان حسب فرمائش اہلیہ محترمہ مولانا عبدالوہاب خلجیؒ)

بے صبری اور ناشکری

مولانا ابوحمدان اشرف فیضی
ناظم جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ

صبر اور شکر مومن کی دو عظیم خصلت:

انسانی زندگی دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو خوشی ہے یا غم، کبھی آرام ہے تو کبھی تکلیف، کبھی صحت ہے تو کبھی بیماری، کبھی خوش حالی ہے تو کبھی بدحالی، کوئی انسان ہمیشہ آرام اور خوش حالی میں رہے کبھی اسے کوئی تکلیف نہ آئے ایسا ممکن نہیں ہے اسی طرح کوئی انسان ہمیشہ تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہے، کبھی اس کی زندگی میں خوشی نہ آئے یہ بھی ممکن نہیں ہے، بلکہ کبھی خوشی کبھی غم، کبھی آرام کبھی تکلیف، کبھی عروج کبھی زوال، کبھی فقیری کبھی امیری، کبھی صحت کبھی بیماری ہر انسان کی زندگی کا لازمی حصہ ہے، بندہ مومن دونوں حالت میں خیر و بھلائی میں ہوتا ہے، تکلیف میں صبر کر کے اور آرام کی زندگی میں اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر کے اور یہ صرف مومن کی خصوصیت ہے ورنہ کافر جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ تکلیف و پریشانی میں گھبرا جاتا ہے، جزع فزع کرنے لگتا ہے، بسا اوقات مصائب و مشکلات سے عاجز آکر خودکشی کر لیتا ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہیں پایا تو کدھر جائیں گے

اور جب خوش حالی و فارغ البالی میں ہوتا ہے تو سرکش بن جاتا ہے، عیاشی کرتا ہے، کمزوروں پر ظلم کرتا ہے، الغرض مومن کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے بشرطیکہ وہ صابر اور شاکر ہو اور کافر کے لیے ہر حال میں شر ہی شر ہے، اسی حقیقت کو نبی ﷺ نے اس حدیث میں بیان کی ہے، فرمایا: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ [صحیح مسلم: كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، بَابٌ الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ: ۲۹۹۹] مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر کام میں اس کے لیے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اگر اسے خوش حالی نصیب ہو، اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے تو یہ شکر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر اور شکر دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ [إبراهيم: ۵] بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو بہت صبر کرنے والا، بہت شکر کرنے والا ہے۔ (یہ آیت قرآن مجید میں کل چار مقامات پر مذکور ہے: سورہ ابراھیم: ۵، سورہ لقمان: ۳۱، سورہ سبأ: ۱۹، سورۃ الشوری: ۳۳)

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نِعْمَ الْعَبْدُ، عَبْدٌ إِذَا ابْتُلِيَ صَبَرَ، وَإِذَا أُعْطِيَ شَكَرَ [تفسیر ابن کثیر: ابراهيم: ۵] کتنا اچھا ہے وہ بندہ جب اسے آزمایا جاتا ہے تو صبر کرتا ہے اور نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے۔ متعدد سلف سے یہ بات منقول ہے کہ صبر آدھا ایمان ہے کیوں کہ ایمان کے دو حصے ہیں: آدھا حصہ صبر اور بقیہ آدھا شکر [عدة الصابرين: ۱۰۸، تفسير ابن القيم] معلوم ہوا کہ صبر اور شکر مومن کی دو عظیم خصلت ہے۔

اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر یہ وصف پیدا کریں، بالخصوص خواتین اس جانب توجہ دیں کیوں کہ مصائب و مشکلات میں بہت جلد گھبرا جاتی ہیں اور بے قابو ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھیں کہ صبر اور صلاۃ مومن کے لیے دو عظیم ہتھیار ہیں، مصائب و مشکلات میں ان دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں، ارشاد ربانی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ [البقرة: ۱۵۳] اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک توفیق دے۔ آمین۔

شوہر کی ناشکری:

آج خواتین میں یہ برائی پائی جاتی ہے کہ جب تک شوہر خوش حال ہے، اس کی خواہشات کو پورا کر رہا ہے تو شوہر کے ساتھ مل کر زندگی گذاریں گی، اگر اس کی زندگی میں کوئی تکلیف کا موقع آ گیا، کچھ پریشانیاں آ گئیں، وہ بیمار پڑ گیا یا اس کے کاروبار میں نقصان ہو گیا یا مقروض ہو گیا تو بعض عورتیں شوہروں کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں، یہ آزمائش و امتحان کی گھڑی ہوتی ہے، آرام اور تکلیف، خوشی اور غم ہر حال میں نیک عورت اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہے، نیک عورت کی صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کی شکر گزار ہوتی ہے، کبھی ناشکری نہیں کرتی، کیوں کہ ناشکری ایک مذموم صفت ہے اور یہ ایسی برائی ہے جو جہنم میں لے جانے والی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے عید الفطر کے خطبہ میں خواتین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، تَصَدَّقْنَ، وَأَكْثِرْنَ الِاسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ: وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ [صحيح مسلم: كِتَابُ الْإِيمَانِ، بَابٌ نُقْصَانُ الْإِيمَانِ بِنَقْصِ الطَّاعَاتِ: ۷۹] اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کرو اور زیادہ سے زیادہ استغفار کرو، اس لیے کہ میں نے تمہیں جہنم میں سب

سے زیادہ دیکھا ہے، تو ایک سمجھ دار عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! عورتیں سب سے زیادہ جہنم میں کیوں جائیں گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ تم بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔

دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْظُرُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى امْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا، وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِي عَنْهُ [مجمع الزوائد للهيثمي: ۴/ ۳۱۲، صحيح الترغيب: ۱۹۴۴] اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس عورت کو نہیں دیکھے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو اور وہ اس سے بے نیاز بھی نہیں ہوسکتی (اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی)

عورتوں کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ اگر زندگی بھر ان کے ساتھ احسان کرو، بھلائی کا معاملہ کرو، ان کے ہر جذبے کی قدر کرو اور ہر خواہش کو پورا کرو، لیکن کبھی ایک بار ان کی مرضی کے خلاف ہوجائے اور ان کی خواہش پوری نہ ہو تو وہ زندگی بھر کے احسانات کو بھلا دے گی، جیسا کہ نبی ﷺ نے اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ [صحيح البخاري: كِتَابُ: الْإِيمَانُ، بَابُ كُفْرَانِ الْعَشِيرِ: ۲۹] اگر تم عمر بھر ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر تمہاری طرف سے کبھی کوئی ان کے خیال میں ناگواری کی بات ہوجائے تو فوراً کہہ اٹھے گی کہ میں نے کبھی بھی تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

شکر گزار کیسے بنیں؟:

اپنے سے کمتر کو دیکھیں: عام طور پر خواتین میں ناشکری کے جذبات زیادہ پائے جاتے ہیں، کیوں کہ ان کی نظر زیادہ مال دار اور خوش حال عورتوں پر ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ان سے مقابلہ کرنا چاہتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں حرص ولالچ اور مال کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر محسوس کرتی ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ نے دنیوی اعتبار سے اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھنے کا حکم دیا ہے، یہ ایسا نبوی نسخہ ہے جس کی وجہ سے انسان جس حال میں بھی رہے وہ اپنے آپ کو خوش نصیب اور سعادت مند انسان سمجھے گا اور رب العالمین کا شکر گزار بندہ بننے کی کوشش کرے گا، وہ یہ سوچے گا کہ اگر میں کسی مرض میں مبتلا ہوں تو سماج میں بہت سارے لوگ مجھ سے زیادہ مہلک مرض میں مبتلا ہیں اور علاج کے لیے پریشان ہیں، اگر میری آمدنی محدود اور مختصر ہے تو ایسے بھی لوگ ہیں جو مجھ سے زیادہ مجبور اور پریشان حال ہیں، اگر میرے پاس رہنے کا خاص مکان نہیں ہے تو بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو فٹ پاتھ پر اخبار بچھا کر سو جاتے ہیں، کرائے کا مکان لینے کی بھی ان کے پاس طاقت نہیں ہے، اس طرح سے ہر مسئلے میں اپنے سے زیادہ کمزور اور مجبور کو دیکھنے سے شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں گے، ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے فلاں سے بہتر بنایا ہے، نبی کریم ﷺ نے اسی جانب ہماری توجہ دلائی ہے، فرمایا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ، قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: عَلَيْكُمْ [صحيح مسلم: كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ: ۲۹۶۳] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو جو تم سے کم ہے (مال و دولت اور حسن و جمال میں اور بال بچوں میں) اور اس کو مت دیکھو جو تم سے زیادہ ہے۔ (دنیوی نعمتوں میں) اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے اپنے اوپر۔ اسی طرح نبی ﷺ نے کسی مجبور اور معذور انسان کو دیکھنے کے بعد اپنی صحت و عافیت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى مُبْتَلًى، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا لَمْ يُصِبْهُ ذَلِكَ الْبَلَاءُ [سنن الترمذي: أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَأَى مُبْتَلًى: ۳۴۳۲، صحيح] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھے پھر کہے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا تو اسے یہ بلا نہ پہنچے گی۔

دعاؤں کا اهتمام: اسی طرح شکر گزار بننے کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کریں اور دعاؤں کا اہتمام کریں، اس لیے کہ توفیق دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، بعض دعائیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ [الأحقاف: ۱۵]

۲۔ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ [سنن أبي داود: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابٌ فِي الِاسْتِغْفَارِ: ۱۵۲۲، صحيح]

۳۔ رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرِ الْهُدَى لِي، وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ، رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا، لَكَ ذَكَّارًا، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مِطْوَاعًا، لَكَ مُخْبِتًا، إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي، وَاغْسِلْ حَوْبَتِي، وَأَجِبْ دَعْوَتِي، وَثَبِّتْ حُجَّتِي، وَسَدِّدْ لِسَانِي، وَاهْدِ قَلْبِي، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ صَدْرِي [سنن الترمذي: أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ: ۳۵۵۱، صحيح، سنن ابن ماجه: كِتَابُ الدُّعَاءِ، بَابُ دُعَاءِ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ٣٨٣٠، صحيح]

بے صبری:

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مختلف طریقے سے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور کامیاب ہیں وہ بندے جو بوقت آزمائش صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۱۵۶ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ [البقرة: ۱۵۵-۱۵۷]** اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ جنہیں، جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ ابتلاء وآزمائش اور مصائب ومشکلات میں صبر کرنا یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے، اسی لیے صبر کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے اور ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [الشوری: ۴۳]** اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کردے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔ اور فرمایا: **اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ [الزمر: ۱۰]** صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ **[صحيح البخاري: كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ: ۱۴۶۹]** اور جو شخص اپنے اوپر زور ڈال کر بھی صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے صبر واستقلال دے دیتا ہے۔ اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی۔ (صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے)۔ دوسری حدیث میں ہے: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ، فَيَقُولُ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا أَجَرَهُ اللَّهُ فِي مُصِيبَتِهِ، وَأَخْلَفَ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا، قَالَتْ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، قُلْتُ كَمَا أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْلَفَ اللَّهُ لِي خَيْرًا مِنْهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **[صحيح مسلم: كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ: ۹۱۸]** جب کسی مسلمان بندے کو کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مصیبت میں اجر دیتا ہے۔ اور اس کا نعم البدل عطا کرتا ہے، جب (میرے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق کہا تو اللہ نے میرے لیے ان سے بہتر (شوہر) رسول اللہ ﷺ عطا فرمایا۔

یاد رہے کہ آزمائش جتنی بڑی ہوتی ہے بدلہ بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے: إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ **[سنن الترمذي: أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ: ۲۳۹۶، حسن]** بڑا ثواب بڑی بلا (آزمائش) کے ساتھ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے پس جو اللہ کی تقدیر پر راضی ہو اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو اللہ کی تقدیر سے ناراض ہو تو اللہ بھی اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول!: أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ **[سنن الترمذي: أَبْوَابُ الزُّهْدِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ: ۲۳۹۸، حسن صحيح]** لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء ورسل کی، پھر جوان کے جیسے ہیں، پھر جو ان کے جیسے ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کے دین کے مطابق آزمائش بھی ہوتی ہے، پھر آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اور یہ سنت الہیہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن مخلص بندوں کا امتحان لیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ [العنكبوت: ۱-۳]** الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں۔ سچ ہے۔

آزمائش ہے نشان بندگان محترم
جانچ ہوتی ہے انہیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم

بیماری پر صبر:

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو مختلف طریقے سے آزمائش میں ڈالتا ہے، اس کی ایک شکل بیماریوں میں مبتلا کردیتا ہے، بیماری چھوٹے، بڑے، مرد وعورت، امیر وغریب ہر ایک کو آتی ہے، لیکن خواتین بیماریوں میں بہت جلد گھبرا جاتی ہیں، خاص طور پر بچوں کی بیماری میں

اگر جلدی شفا نہ ملے تو غیر شرعی طریقے سے علاج شروع کر دیتی ہیں، مزاروں اور آستانوں کا رخ کرتی ہیں، یاد رکھیں کہ بیماریوں سے شفا دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ [الشعراء: ٨٠]** اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے وہی (اللہ) شفا عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا علاج ومعالجہ کے لیے شرعی اسباب اختیار کریں اور صرف اللہ تعالیٰ سے شفایابی کی امید رکھیں، جیسا کہ نبی ﷺ مریض پر دم کرتے ہوئے یہ دعا پڑھتے تھے: **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا [صحيح مسلم: كِتَابُ السَّلَامِ، بَابُ اسْتِحْبَابُ رُقْيَةِ الْمَرِيضِ: ٢١٩١]** عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اپنا داہنا ہاتھ اس پر پھیرتے پھر فرماتے: **أَذْهِبِ الْبَاسَ، رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا** یعنی اے لوگوں کے رب دور کر دے بیماری کو اور شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، شفا تیری ہی شفا ہے، ایسی شفا دے کہ (جسم میں) کوئی بیماری باقی نہ رہے۔

بیماری مومن کے لیے گناہوں کا کفارہ، اجر وثواب کا باعث اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ بیماری میں صبر سے کام لیں، اللہ کے فیصلے سے راضی رہیں، اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے: **مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَرْضَى، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْمَرَضِ: ٥٦٤٥]** اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر وبھلائی کرنا چاہتا ہے اسے بیماری کی تکالیف اور دیگر مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ، وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ، وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَرْضَى، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْمَرَضِ: ٥٦٤٢]** ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم، اور تکلیف پہنچتی ہے، یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: **عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوعَكُ، فَمَسِسْتُهُ بِيَدِي، فَقُلْتُ: إِنَّكَ لَتُوعَكُ وَعْكًا شَدِيدًا، قَالَ: أَجَلْ، كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ، قَالَ: لَكَ أَجْرَانِ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى، مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ، إِلَّا حَطَّ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا [صحيح البخاري: كِتَابُ الْمَرْضَى، بَابُ قَوْلِ الْمَرِيضِ إِنِّي وَجِعٌ: ٥٦٦٧]** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بخار آیا ہوا تھا، میں نے آپ کا جسم چھو کر عرض کیا کہ آپ کو بڑا تیز بخار ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں کے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ تو آپ کے لیے اجر بھی دوگنا ہے؟۔ کہا ہاں، پھر آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو بھی جب کسی مرض کی تکلیف یا اور کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ اس کے گناہ کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت اپنے پتوں کو جھاڑتا ہے۔

اسی طرح خواتین بیماری سے عاجز ہو کر، گھبرا کر بیماری کو برا نہ کہیں، کیوں کہ بیماری اللہ کی طرف سے ہے، حدیث نبوی ﷺ ہے: **عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمِّ الْمُسَيِّبِ فَقَالَ: مَا لَكِ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيِّبِ تُزَفْزِفِينَ؟ قَالَتِ: الْحُمَّى، لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيهَا، فَقَالَ: لَا تَسُبِّي الْحُمَّى، فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ [صحيح مسلم: كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ ثَوَابُ الْمُؤْمِنِ فِيمَا يُصِيبُهُ مِنْ مَرَضٍ: ٢٥٧٥]** جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ ام السائب یا ام المسیب کے پاس گئے تو پوچھا: اے ام السائب یا ام المسیب! تم کانپ رہی ہو کیا ہوا تم کو؟ وہ بولیں: بخار ہے، اللہ اس میں برکت نہ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بخار کو برا مت کہو، کیوں کہ وہ دور کر دیتا ہے آدمیوں کے گناہوں کو جیسے بھٹی لوہے کا میل دور کر دیتی ہے۔

اسی طرح حدیث میں صبر کرنے والی عورت کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: **أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى! قَالَ: هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ، قَالَتْ: أَصْبِرُ قَالَتْ: فَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا [صحيح مسلم: كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، بَابُ ثَوَابُ الْمُؤْمِنِ فِيمَا يُصِيبُهُ مِنْ مَرَضٍ: ٢٥٧٦]** کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور دکھلایئے) انہوں نے کہا: یہ کالی عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور بولی: مجھے مرگی کا عارضہ ہے، اس حالت میں میرا بدن کھل جاتا ہے، تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے (کہ اس بیماری سے مجھے نجات مل جائے) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس تکلیف پر صبر کر، اس کے بدلے تیرے لیے جنت ہے، اور اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تجھے اس بیماری سے عافیت دے دے، اس نے کہا: (اچھا ٹھیک ہے، پھر) میں صبر ہی اختیار کرتی ہوں، تاہم (دورے کے وقت) میں ننگی ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ (بیماری کے وقت) میرا بدن نہ کھلے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی۔

سبحان اللہ! کیسی حیاء والی عورت ہے کہ بے ہوشی میں بھی اپنے پردے کی حفاظت کی فکر ہے، یہ ایک جنتی عورت ہی کی صفت ہو سکتی ہے۔

حصول علم کی راہ میں اخلاص کی اہمیت وضرورت

مولانا محمد ثمامہ رحمت اللہ عمری

اخلاص عبادات کی روح ،نصرت الٰہی کا سبب ،اللہ کے عذاب سے نجات اور دنیا وآخرت میں بلندی درجات کا باعث ہے ،اس کے بغیر سب کچھ ہیچ اور ساری عبادتیں بے جان ہیں ،کسی بھی عمل (عبادت) کی قبولیت کے لیے دو بنیادی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ،ان میں کسی کا فقدان عمل کی قبولیت سے مانع ہوگا۔پہلی یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ کے لیے کیا گیا ہو ،دوسری یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔اللہ نے ان دونوں شرطوں کو مختلف آیتوں میں بیان فرمایا ہے ،ارشاد باری ہے :'' فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا'' [الکہف :۱۱۰] ترجمہ:''لہٰذا جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ،ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہو اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی ہو ،شہرت ،نام ونمود ،ریاکاری یا کوئی اور دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔[تیسیر الرحمن لبیان القرآن]۔

اخلاص کا معنی لغت میں پاک وصاف جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کا اطلاق اس بات پر ہوتا ہے کہ :انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے اس کا دل اس عبادت اور عمل میں صرف اور صرف اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں ۔اسی لیے قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں :لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کر دینا ریاکاری اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں چیزوں سے عافیت میں رکھے [مدارج السالکین لابن القیم :۲/۹۱]۔

نیز علم شرعی کا حصول بھی ایک اہم عبادت ہے ۔اسی لیے اہل علم نے لکھا ہے کہ اس عبادت کو انجام دینے سے قبل اخلاص نیت کا ہونا ضروری ہے ،اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاری اور کبار محدثین نے اپنی اپنی کتابوں کی شروعات حدیث'' انما الاعمال بالنیات '' سے کی ہے ۔عبد الرحمن بن مھدی لکھتے ہیں :**لو صنفت الابواب لجعلت حدیث عمر فی الاعمال بالنیات فی کل باب** [جامع العلوم والحکم]۔کیونکہ نیت عمل کی روح اور اس کا قائد ورہبر ہے اور عمل نیت کے تابع ہے عمل کی صحت وخرابی نیت کی صحت وخرابی پر موقوف ہے ،نیک نیتی سے توفیق اور بدنیتی سے رسوائی حاصل ہوتی ہے ،نیت ہی کے اعتبار سے دنیا وآخرت کے مراتب ودرجات میں فرق آتا ہے ۔ہتھیار سے لیس ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا :اے اللہ کے رسول !میں قتال کروں یا اسلام لاؤں ؟ آپ نے فرمایا :'' پہلے اسلام لاؤ پھر جہاد کرنا'' اس نے اسلام قبول کیا اور پھر اللہ کی راہ میں لڑتا رہا یہاں تک شہید ہوگیا ،تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا '': **عمل قلیلا وأجر کثیرا** '' اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر سے نوازا گیا [صحیح البخاری ،کتاب الجهاد والسیر]۔اسی لیے امام حلیمی نے طالب علم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ :ایک شرعی طالب علم کا مقصد سوائے رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہونا چاہیے اور اسی طریقہ سے معلم کی نیت بھی امانت علم کو دوسروں تک پہنچانا اور احیائے سنت ہونا چاہیے جیسا کہ ابو ہریرۃ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن مجید کے اندر یہ آیت نہ ہوتی تو میں حدیث کی روایت ہی نہیں کرتا ''وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا ٱلْكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُۥ'' [آل عمران:۱۸۷] ترجمہ:'' اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد وپیمان لیا کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے لیے بیان کروگے ،اور اسے چھپاؤ گے نہیں'' قرآن کریم کے اندر جہاں متعدد آیتوں میں علم کی اہمیت وفضیلت کا ذکر ہے وہیں جہالت کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے ۔امام ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''**لیس عمل بعد الفرائض افضل من طلب العلم** '' ترجمہ:'' فرائض کے بعد طلب علم سے افضل عمل کوئی نہیں ہے''۔

علم شرعی کے حصول کے جہاں بہت سارے مقاصد ہیں ان میں سے اللہ کی رضاء وخوشنودی ،اپنے اور دوسروں سے جہالت اور شرک کے تمام انواع کو دور کرنا اہم مقصد ہے ۔امام احمد بن حنبل نے فرماتے ہیں :'' **العلم لا یعدله شیء لمن صحت نیته قالوا وکیف تصح النیة یا اباعبدالله ؟ قال ینوی رفع الجهل عن نفسه وعن غیره** ''۔اسی لیے شریعت مطہرہ کے اندر مومنوں کو بھی جگہ جگہ اخلاص پیدا کرنے کی طرف ابھارا گیا ہے ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ'' [البینہ:۵]۔ترجمہ:'' اور انہیں صرف اسی بات حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا :''مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ''

[الشوری:۲۰] ترجمہ:’’جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں‘‘۔اور تیسری جگہ فرمایا: ’’وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى۔ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى۔ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى۔ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى۔ وَلَسَوْفَ يَرْضَى‘‘ رجمہ:’’وہ شخص بچالیا جائے گا جو اللہ سے بڑا ڈرنے والا ہوگا جو شخص اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ اپنے نفس کو پاک کرے اور کسی آدمی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہوتا جس کا بدلہ چکایا جائے مگر وہ اپنے ارفع واعلی رب کی رضا چاہتا ہے اور وہ عنقریب راضی ہوجائے گا‘‘۔حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیتیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان نیک لوگوں میں بدرجہ اولی داخل ہیں جن کی صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، اس لیے کہ وہ صدیق تھے، تقی تھے کریم تھے اور اپنا مال اپنے رب کی خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت وتائید کے لیے خرچ کرتے تھے۔ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دو جوڑے اللہ کی راہ میں خرچ کئے اسے جنت کے تمام دروازے پکاریں گے، اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ زیادہ بہتر ہے، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول جو لوگ ان میں سے الگ الگ دروازوں سے پکارے جائیں گے، وہ تو پکارے ہی جائیں گے، کیا کوئی ان میں سے ہر ایک دروازے سے پکارا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ انہیں میں سے ہوں گے۔[تیسیر الرحمن لبیان القرآن]۔

ریاکاری ذلت ورسوائی اور آخرت کے عذاب کا سبب ہے اسی لیے قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں سے جہنم بھڑکائی جائے گی وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے: قاری قرآن، مجاہد اور اپنے مال کا صدقہ کرنے والا، جنہوں نے یہ اعمال صرف اس لیے انجام دیے تھے تاکہ کہا جائے کہ فلاں قاری ہے، فلاں بڑا بہادر ہے اور فلاں بڑا سخی اور خیرات کرنے والا ہے۔ان اول الناس يقضى يوم القيامة ۔وذكر منهم رجل تعلم القرآن وعلمه قرا القرآن فاتى به فعرفه نعمه فعرفها قال فماعلمت فيها؟ قال تعلمت العلم وعلمته وقرات فيك القرآن قال كذبت ولكنك تعلمت العلم ليقال عالم وقرات القرآن ليقال هو قارى فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار [صحیح مسلم]۔

ریاکاری کا بنیادی سبب جاہ ومرتبہ، حمد وثنا اور مدح وستائش کی لذت، دوسروں کی طرف سے اپنی مذمت اور برائی سے نفرت اور لوگوں کے مال کی لالچ ہے۔اور جس کے دل پر ان چیزوں کی محبت غالب آجاتی ہے اس کی ساری فکر مخلوق کی رعایت، ان کا چکر لگانے اور ان کے دکھاوے میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے تمام تر اقوال وافعال اور جملہ تصرفات میں ہمیشہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جن سے لوگوں کے نزدیک اس کا مقام ومرتبہ اونچا ہو۔

لہذا جب تک انسان کے اندر جاہ منصب، لوگوں سے مال کا حرص وہوس اور حمد وستائش سے بے رغبتی پیدا نہ ہوجائے اخلاص کا پیدا ہونا ناممکن ہے کیونکہ اخلاص، مدح وثنا اور لالچ کا ایک دل میں اکٹھا ہونا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آگ اور پانی کا اور گوہ اور مچھلی کا۔اللہ تعالی ہم سب کو اخلاص علم وعمل کی توفیق بخشے۔

***

ضرورت امام وخطیب

جامع مسجد اہل حدیث کھریانواں، اورنگ آباد، بہار کے لیے ایک ایسے سلفی عالم کی ضرورت ہے جو امامت وخطابت کے ساتھ مکتب کے بچوں کی تعلیم وتربیت کرسکے۔عالم کے ساتھ اگر حافظ قرآن ہوں تو ترجیح دی جائے گی۔نیز شعبہ حفظ کے لیے ایک مجود خوش الحان حافظ کی ضرورت ہے جو شعبہ حفظ کو بحسن وخوبی چلا سکے۔

تنخواہ مع قیام وطعام معقول دی جائے گی۔

رابطہ کریں:

نام:	عہدہ:	رابطہ نمبر:
ڈاکٹر خورشید انور	صدر جمعیت	9934882757
محمد خالد	ناظم مدرسہ	9973210179

ضروری تصحیح

بابت کتاب’’جراحۃ القلب والعینین.....‘‘

ناچیز (ابو عامر اقبال احمد محمدی) کی مسئلہ رفع الیدین پر کتاب مذکور کے حالیہ ایڈیشن میں جو’’فریوائی اکادمی، نئی دہلی‘‘ کے اہتمام سے شائع ہوا ہے، صفحہ ۲۹۴ پر مسند حمیدی کی حدیث کے الفاظ کتابت کی غلطی سے محرّف ہوگئے ہیں، حالانکہ پہلے ایڈیشن میں وہ صحیح مکتوب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں، ناظرین سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل کے مطابق صحیح کرلیں، مہربانی ہوگی۔شکریہ

---رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع، ولا يرفع بين السجدتين۔

عرض گذار: ابو عامر اقبال احمد محمدی

مئوناتھ بھنجن، یوپی

۴/۳/۲۰۲۳ء

آہ! مولانا محمد جرجیس سلفی رحمہ اللہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی
امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

مولانائے مکرم جناب محمد جرجیس سلفی صاحب ۲۴/رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۵/اپریل ۲۰۲۳ء کو مدینہ منورہ میں بعمر ۷۵/سال انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی نے مولانا کو بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ بڑے خلیق وملنسار، متواضع وخاکسار اور علم دوست اور علماء وطلبہ نواز تھے۔ دیکھنے میں اور اپنی بات وچار اور پیارواخلاق سے بھولے بھالے نظر آتے تھے اور بزرگی ونیکوکاری کے آثار آپ پر دور سے ہویدا ہوتے تھے۔ آپ کا زیر لب مسکرانا سب کو بھاتا تھا۔ علاقہ میں آپ بڑی قدر ومنزلت تھی اور مفتی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔

مولانا محمد جرجیس سلفی صاحب ۱۹/نومبر ۱۹۴۸ء کو صوبہ متحدہ بہار (مابعد تقسیم جھارکھنڈ) کے موضع پوکھریا ضلع دمکا میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام عبدالحمید تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں ہوئی۔ کچھ دنوں تک مدرسہ اسلامیہ انبھوا، مغربی بنگال میں زیر تعلیم رہے، ۱۹۶۰ء میں مشرقی بہار میں تحریک شہیدین اور جدوجہد آزادی کے مرکز مدرسہ شمس الہدی دلال پور، ضلع دمکا، سنتھال پرگنہ میں داخلہ لیا اور چار سالوں تک عربی وفارسی کی بنیادی تعلیم حاصل کی اور مجاہدین آزادی ہند اور جانشین تحریک شہیدین سے استفادہ کیا خصوصا بقیۃ السلف مولانا عبدالحنان صاحب سے خوب خوب مستفید ہوئے۔ بعدازاں ہندوستان کی معروف دینی دانشگاہ مدرسہ فیض عام مئو کا سفر کیا اور درجہ عربی دوم میں داخلہ ہوا۔ اس مرکز علم ودانش میں صرف ایک سال ہی گزرا تھا کہ جامعہ سلفیہ بنارس (مرکزی دارالعلوم) میں داخلہ کے آغاز کا چرچا عام ہوا اور مولانا مئو سے بنارس چلے گئے اور تقدیر نے یاوری کی کہ دوسری جماعت میں داخلہ بھی ہوگیا۔ جہاں وقت کے اکابر علماء اور افاضل مربیان سے خوب خوب اکتساب فیض کیا۔ آپ کا شمار جامعہ کے ممتاز اور متفوق طلبہ میں ہوتا تھا۔ ۱۹۸۵ء میں جامعۃ الملک سعود ریاض کے زیر اہتمام تدریب المعلمین کے چار ماہی کورس میں داخلہ ہوگیا، جس سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ روانی کے ساتھ عربی بول چال کرتے تھے۔

مولانا محمد جرجیس سلفی صاحب ۱۹۷۱ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد سے ہی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مشغول ہوگئے تھے۔ سرسری طور پر جو مجھے پہلے سے معلومات ہیں وہ یہ کہ گاؤں واطراف کے چھوٹے بڑے اداروں میں تقریبا دس سالوں تک تدریسی ودعوتی فریضہ انجام دیتے ہوئے بہار کی راجدھانی پٹنہ کی معروف ومشہور اور عظیم دینی درسگاہ وتربیت کدہ مدرسہ اصلاح المسلمین میں تعلیمی وتربیتی خدمات کے لئے متعین کئے گئے اور بحسن وخوبی اس تاریخی ادارہ میں فیض رسانی کی۔ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ تربیت بھی آپ کا مشغلہ تھا۔ یہ ادارہ جو ہندوستان کی سب سے پہلی اور عظیم تاریخی دعوتی، تعلیمی وجہادی اور وطن عزیز کی غلامی سے گلوخلاصی کے لئے جو تحریک برپا کی گئی اس کا عظیم مرکز تھا۔ وہاں سے اعاظم رجال اور یگانہ روزگار ہستیاں منسلک ومتعلق رہی تھیں جو وقت کی سب سے عظیم شخصیات اور قوم وملت کے سرخیل وسرپرست اور رہنما ہوا کرتے تھے اور بجا طور پر وہ ہندوستان میں امارت اسلامیہ، امارت شرعیہ، اور امارت دینیہ کا واحد اور عظیم مرکز اور قلعہ تھا۔ جس طرح یہاں دین کے داعی ومبلغ، مدرس ومعلم اور مصنف پیدا ہوتے تھے اسی طرح میدان کارزار کے سپاہی ورنگروٹ اور مجاہد وسپہ سالار بھی تیار ہوا کرتے تھے۔ بنگال کی کھاڑی، آسام کی جھاڑی اور پہاڑی سمیت کنیا کماری کے ساحل اور کشمیر کی وادی اور سرحد پار ایران وافغان تک چپے چپے میں اپنی دعوتی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ اصلاح امت اور قوم وانسانیت کے خلاف مظالم کے خاتمے اور سماج سدھار کے لئے کوشش کرتے تھے۔ اس عظیم دینی قلعہ سے ہندوستان کو استبدادی نظام وخارجی غاصبوں سے نجات دلانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ لے کر اٹھتے تھے۔ ملک وملت کے لیے جو قربانیاں یہاں کے لوگوں نے دیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندوستان کے اولین وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی بات بلاحوالہ علی میاں ندوی مرحوم نے لکھی ہے من وعن الفاظ کا دعویٰ تو نہیں ہے مگر مفہوم کچھ یہی ہے کہ ''لو وضعنا تضحيات اهل الهند كلهم في كفة ميزان و تضحيات اهل صادقفور في كفة ميزان اخرى لرجحت كفة صادق فور'' اگر سارے ہندوستانیوں کی قربانیوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور اہل صادق پور (اہل حدیث) کی قربانیوں کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھیں تو صادقان صادق پور کا پلڑا بھاری پڑے گا۔

الغرض اس ادارہ سے ادنیٰ نسبت بھی بڑی عالی نسبت ہے جو انسان کو اوج ثریا پر پہنچا دیتی ہے۔ مگر جب شیطانی وساوس، انسانی خسائس اور عوامل ہوی وہوس کی

کارفرمائی ہونے لگتی ہے تو انسان اسفل سافلین میں پہنچ جاتا ہے اور چھوٹے بڑے اور عظیم وحقیر کسی کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے۔ ترفع وتکبر اور خودغرضی وخودستائی قوموں کو پستی میں گرادیتی ہے بلکہ بسا اوقات کسی کی بھی کوئی عزت وحیثیت نہیں رہ جاتی اور انسان کو لگتا ہے کہ ''ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا''۔ بلکہ زیادہ جوگی اپنے علم واصلاح کے غرے اور غرور میں مبتلا ہوکر کسی مٹھ میں جمع ہوجاتے ہیں تو وہ مٹھ اجاڑ کا شکار ہوکر ویران ہوجاتا ہے۔ خصوصاً جب اس میں کا ہر فرد اپنے جذبات اور اپنی خواہشات شرورنفس کا محاسبہ کرنے کے بجائے اپنی تمام کوتاہیوں، غلطیوں اور بے ضابطگیوں کو ایک دوسرے کے سر ڈال کر سرخرو اور مظلوم بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ کوئی کسی سے کم کیا رہے گا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں ہی اپنی برتری اور کامیابی تصور کرنے لگتا ہے تو اولیاء اللہ اور ان کے بنائے ہوئے پاک گھر بھی ویرانی کا سماں پیش کرنے لگتے ہیں اور بربادیوں کے عام چرچے زمینوں اور زمانوں میں بھی ہونے لگتے ہیں۔

مدرسہ اصلاح المسلمین اور امارت اہل حدیث کے ماضی وحال اور مآل وانجام کو دیکھ کر دل غم کو کھارہا ہے اور غم دل کو کھارہا ہے والی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے:

لمثل هذا يذوب القلب من كمد
ان كان في القلب اسلام وايمان

آج بھی ان دبی ہوئی چنگاریوں کو ہم نے اپنی غیظ وغضب سے بھڑکا کر راکھ کا ڈھیر بنانے میں دانستہ یا نادانستہ کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور حسد وبغض، کینہ وتعصب جاہلیت، تعفن عجمیت اور ہوی وہوس سے کھنڈرات میں بدلنا شروع کردیا ہے۔ ذرا ہوش سے کام لیں اور ماضی کی عظمتوں اور اپنے آباء واجداد کے ایثار وقربانی کو یاد کریں اور اصلاح وحصہ داری وسرداری کے نام پر رسہ کشی کے پاداش میں بربادیوں کا جائزہ لے کر آگے بڑھیں۔ اپنی بے راہ روی وبربادی کو اصلاح وسدھار کے نام پر لگام لگادیں، انانیت وخودسری اور جھلاہٹ اور خامیوں کو دور فرما کر ایمان ویقین اور عمل پیہم اور محبت فاتح عالم سے لیس ہوکر اور باہم شیروشکر ہوکر میدان عمل میں اتر پڑیں تو ہم بجا طور پر کہہ سکیں گے کہ صبح کا بھولا شام کو واپس آ گیا ہے، اس لئے بھولا مت کہو۔ بلکہ اسے دشمن کی ہوائی سمجھو اور اپنی کوتاہی مان لو کہ یہی شیوہ پیغمبری، اسوہ اسلاف اور طریق محمدی ہے۔ کیا اللہ جل شانہ کے حضور یہ گڑگڑانے والا بندہ ''اللهم انى عبدك وابن عبدك وابن عمتك ناصيتى بيدك ماض فى حكمك وعدل فى قضائك '' اپنے ہی مومن بھائی، ہم عقیدہ بھائی، ہم مذہب بھائی اور ہم مسلک بھائی کے مدمقابل آسکتا ہے؟ پھر کیا تمہارا عبدیت کا دعوی کھوکھلا نہیں ہے؟ اور فیصلہ ربانی اور حکم الہی سے سرتابی کے کیا معنی ہیں؟ دلیل وحجت کا کچھ کام نہیں، بس صبر شکیبائی، تسلیم ورضا اور توبہ وانابت ہی معراج مومنین وعلماء ورہبران دین نہیں ہے۔؟ تقدیر اور اللہ جل شانہ کی نشانیوں اور باتوں پر یقین نہیں۔

وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنالما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون (السجدة: ۲۴)

ورنہ ابلیس کا دعوائے عریض اور ادلۂ کثیر سوائے اور گمراہ اور ذلیل کرنے کے اور کیا کرسکتا ہے۔ سنا ہے کہ بعض اخلاف اسلاف کہ بعد از خرابی بسیار ہی سہی پھر اپنے اس مرکز مثالی کی طرف توجہ ہونے لگی ہے۔ اور اپنے اسلاف کے عظیم ترین میراث وسرمایہ کی فکر ہونے لگی ہے۔ پھر عدم تعاون اور مخالفت کی راہ چھوڑ کر آمادۂ تعاون ہی رہنا چاہئے۔ خصوصا نئی نسل کو۔ اللهم زد فزد اور چاہئے کہ دوسرے بھی درگزر اور محبت واپنائیت سے پیش آئیں یہ کہتے ہوئے شیطان کو بھگائیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کہا اور کیا تھا ''ان نزغ الشيطان بينى وبين اخوتى''

الغرض مولانا مکرم دور انحطاط مدارس وجامعات میں بساغنیمت تھے اور ان کا وجود مدارس کو دور عروج سے ملادینے اور ان کے شاندار ماضی کی طرف پلٹ آنے کا نشان اور سامان بہم پہنچا تا محسوس ہوتا تھا۔

مگر آہ!

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ویسے بھی مایوسی کفر ہے۔ وہ جو رات کو دن سے، دن کو رات سے حتی کہ زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکال لاتا ہے اور عدم سے وجود بخش دیتا ہے۔ اس سے کیا بعید ہے کہ عظیم اسلاف کے تمام اخلاف کے دل کی دنیا اپنی شان کریمی ورحیمی سے بدل دے اور سب ایک دوسرے سے گلے بھر بھر کے ملیں اور اس خزاں رسیدہ چمن اسلاف کو باغ وبہار بنادیں۔

قديجمع الله الشتيتين بعد ما
يظنان كل الظن ان لا تلاقيا

مولانا محمد جرجیس سلفی صاحب کے پٹنہ کا دور دور سے دیکھا تھا، قریب سے ایک آدھ مرتبہ زمانہ طالب علمی میں ہی دیکھنے کا موقع ملا کہ اس کوکس کی نظر لگ گئی۔ اللہ تعالی ہمارے تمام ہی چمن ہائے دین وایمان اور انجمنہائے ملک وملت کو نظر بد اور ناعاقبت اندیشی ونادانی سے بچائے۔ اور عصبیت منتنہ وجاہلیہ سے توبہ کرکے اپنے مرکز کی طرف لوٹنے اور لوٹانے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین

مولانا کو میں نے خاص طور پر جامعہ سلفیہ بنارس کے تدریس کے زمانہ میں جامعہ محمدیہ ڈابھا کیند میں دیکھا اور کتنا اچھا عمدہ اور پر بہار اور باوقار دیکھا تھا۔ اب اس کی یادیں نخلستان افسردہ میں جہاں مسرتوں اور شادمانیوں کے ایام یاد دلاتے ہیں

وہیں ان کے بعد سے ہی اس کی حالت زار خون کے آنسو رلاتی ہے۔

جامعہ محمدیہ ڈابھا کیند، جھارکھنڈ میں مولانا نے بحیثیت مدرس اور مولانا شفاء اللہ فیضی رحمہ اللہ کے بعد بحیثیت ناظم اپنی اچھی کارکردگی دکھانے کے باوجود اس سے کیوں اور کیسے الگ ہوگئے: اسباب وعلل جو بھی ہوں، مگر مولانا کے مدرسہ محمدیہ ڈابھا کیند سے علیحدہ ہونے کے بعد ادارہ پر زوال ہی نہیں آیا بلکہ وہ بند ہی ہوگیا۔ بسا اوقات اس کی بنی بنائی مسجد کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
بلکہ حق تو یہ ہے کہ کچھ بھی نمازی نہ رہے

مدرسہ کی حالت زار اور خرابے میں بدل جانے کا انجام تو پوچھو ہی مت:

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

سابق ممبر پارلیامنٹ جناب فرقان انصاری رحمہ اللہ اور دیگر محسنین کے ذریعہ بنائی گئی اچھی خاصی عمارتیں اپنی ویرانی کی کہانی زبان حال سے بیان کرتی رہیں۔ بیچ میں اچھے خاصے مخلصین اور پرجوش ذمہ داران نے مخلصانہ ومردانہ اور ہمدردانہ کوششیں صرف کیں مگر زندگی کی رمق اور جسم مردہ میں روح کی دھمک سنائی ودکھائی پڑتی رہی مگر جسم ناتواں میں زندگی کی تگ وتاز پھر نظر نہیں آسکی۔ اللہ جل شانہ اپنی شان عظمت نشان سے اس میں جان ڈال دیں۔ آمین۔ **وليس ذلك على الله بعزيز**۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں نہ تو انانیت کی کارفرمائی تھی نہ ہی عصبیت جاہلیہ کے لیے کوئی گنجائش تھی۔ سب ایک ہی رنگ ونسل کے اور سب آپس میں بھائی بندے اور رشتہ دار اور سب کی برادری بھی ایک ہی تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نفس کے بندے یہاں بھی تھے وہاں بھی تھے۔ اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے قلعوں کو مسمار کررہے تھے۔ "وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا"

مولانا مرحوم کو ہم نے بالمشافہ وبالمصافحہ اس وقت دیکھا اور آپ سے دلی محبت اور قلبی تعلق اس وقت قائم ہوا جب میں جامعہ محمدیہ ڈابھا کیند گیا۔ وہاں طلبہ کی کثرت، ان کے اندر صفائی وستھرائی اور سلیقہ مندی اور مدرسہ کے در ودیوار سے سادگی وپرکاری اور روحانیت ٹپکتے دیکھا تو روح خوش ہوگئی۔ مولانائے مکرم وہاں بڑی شان سے رہتے تھے اور لگتا تھا کہ میں کسی عظیم تربیت کدہ میں اور صاف ستھرے ماحول میں دلی سکون محسوس کررہا ہوں۔ مولانا کا رکھ رکھاؤ بھی عالمانہ شان وشوکت کے ساتھ تھا اور ان کا وقار واحترام بھی کافی تھا۔ ادارہ ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ میرے خیال سے تعلیم بھی اچھی رہی ہوگی۔ یاد نہیں آتا کہ میں نے طلبہ سے حسب عادت کچھ سوالات اور افادات کا کام کیا تھا یا نہیں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب راقم سلفیان ہند کے تعلیمی مرکز مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ میں مدرس تھا اور اکثر مناظروں، مذاکروں، کانفرنسوں اور دفع اختلافات ورفع نزاعات بین المسلمین والسلفیین کے سلسلہ میں جامعہ سلفیہ کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور اللہ جل شانہ نے اس میں بڑی کامیابیاں اور حصولیابیاں عطا فرمائی تھیں۔ اور ان بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل فلاح وکامرانی قدم بوسی کرتی رہی۔

اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی یہ ہے کہ تقریباً نصف صدی سے اس وقت کے بہار اور موجودہ جھارکھنڈ کے مدھوپور ٹاؤن میں منکرین سنت کا ایک گروہ سرگرم ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی اہل حدیث آبادی کو خصوصا اپنا لقمہ تر بنالیا، مدرسہ پر قبضہ جمالیا، جامع مسجد میں اس کا اثر ورسوخ بڑھ گیا، منبر ومحراب پر تسلط ہوگیا اور کوچہ وبازار میں اس نے اپنا سکہ جمالیا۔ اب کیا تھا وہ جب چاہتا اپنی چلتی چلاتا نظر آتا۔ اسی اثنا میں مدھوپور کی پتھر چپٹی مسجد عیدگاہ والی جس کے ساتھ چند دوکان بھی ہوا کرتی تھی میں، اپنا اثر ورسوخ جمانا شروع کردیا۔ وہاں ایک فریق منکرین و منافقین کے سامنے سینہ سپر رہتا تھا، وہ کمزور پڑ جاتا تھا مگر ہاتھ پاؤں مارنا نہیں بھولتا تھا۔ چنانچہ اس نے جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو اس کی اطلاع دی کہ اب یہ چھوٹی سی آبادی والی مسجد بھی منکرین ومعاندین اور منافقین کی ریشہ دوانیوں اور چیرہ دستیوں کا شکار ہورہی ہے۔ اور حالات انتہائی سنگین ہیں اور ہم بے بس بھی۔ کاغذی طور پر کوئی کارروائی مرکزی جمعیت اور جامعہ سلفیہ ہی کرسکتی ہے۔ کیونکہ اس کے واقف ومتولی مرحوم نے منکرین حدیث کی یلغار اور ان کی واردات اور سازشوں کا لوگوں اور اداروں کو شکار ہوتے دیکھ رکھا تھا اس لئے غالبا وقف نامہ میں انہوں نے جمعیت وجامعہ کا ذکر خصوصی طور پر کیا تھا اور آمین رفع الیدین کے ساتھ ساتھ ان کے بنیادی عقائد ومنہج کا بھی ذکر فرمادیا تھا کہ مبادا کوئی ملحد ومنکر کتاب وسنت بھی اپنی چالبازیوں سے آمین اور رفع الیدین کا مظاہرہ کرکے فتنہ میں نہ ڈال دے اور جماعت اہل حدیث کے اثاثے پر قبضہ جمالے، جیسا کہ مدھوپور میں بہت پہلے ہوچکا تھا اور مال ومیراث کے ساتھ لوگوں کا ایمان بھی معرض خطر میں پڑ چکا تھا۔ چنانچہ مدھوپور کا میرا سفر چیلنجز سے بھرا ہوا، حالات ومشکلات سے گھرا ہوا اور اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری سے پٹا پڑا تھا، معاملہ سنگین سے سنگین تر تھا۔ اس میں ذہن ودماغ اور عقل وخرد سے زیادہ ہمت وحوصلہ، عزم وحزم اور ہوشیاری اور دردمندانہ دل اور جرأت مندانہ اقدام کی ضرورت تھی۔ علماء وعمائدین (اگر عمائدین موجود ہوں تو) کی چپقلش اس پر مستزاد۔ ریا ونمود، ناموری، حسد وعناد اور آپسی رسہ کشی فزوں تر۔ منکرین ومشککین، منافقین وسیاسیین اور مالداروں سے تملق اور ان کا خوف علماء کے ایک فریق کو مذبوحی حرکتیں کرنے پر مجبور کررہا تھا۔ بعض دندناتے مگر دور خاانداز اختیار کرنے والے موثر مقتدر اور چرب زبان لوگوں کے بارے میں بار بار پوچھنے پر بھی مذبذبین وخائفین سے قطع نظر، مخلصین بھی پتہ نہیں میرے لاکھ ہمت وحوصلہ دلانے، ڈھارس بندھانے اور یقین دہانی کرانے پر بھی ان کے بارے میں عجیب گول مول اور گنجلک باتیں کرتے تھے اور عین موقع پر کوئی

موقف اختیار کرنے اور کوئی فیصلہ لینے میں بڑی عجیب کیفیت اور حیران کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا مگر اللہ جل شانہ کی توفیق سے مردانہ وار وجرأت مندانہ فیصلہ ہوا اور بڑی حکمت ودانائی کے ساتھ مار پیٹ اور مقدمہ ومرافعہ کے فتنے کی سرکوبی ہوگئی اور مضبوط طریقہ سے اہل حدیث کی ملکیت وقبضہ مسجد اور ملحقات پر برقرار بلکہ پائیدار ثابت ہوا۔ غالباً اسی سفر میں ڈابھا کیند میں ورود ہوا تھا اور مولانا سے ملاقات ہوئی تھی اور ان ان کی کارکردگی کا مشاہدہ ہوا تھا۔ پھر ایک دوسرا سفر بھی آپسی نزاعات کے خاتمہ کے لیے ہوا۔ اس سفر میں بھی علماء کے درمیان خطبہ جمعہ کے لیے باری متعین کردی تھی۔ امامت کے ایک شناسا اور غالباً ہندو یونیورسٹی سے اعلیٰ ڈگری حاصل کیے ہوئے متشرع شخص محمد قاسم صاحب جن سے بنارس میں طالب علمی کے زمانہ سے شناسائی تھی اس وقت وہ مدرسہ احیاء السنہ، بجرڈیہہ، بنارس میں مدرس تھے، کو امام متعین کیا۔ نظم خطبہ واوقاف کے لیے تنہا ذمہ دار بنا کر فتنہ وفساد کا دروازہ بند کردیا۔ اللہ کے فضل سے بہت دنوں تک بلا کسی رسہ کشی اور خرخشے کے اطمینان سے مسجد کا کام رواں دواں رہا۔ اور دھیرے دھیرے اندرونی وبیرونی فتنے ختم ہوگئے۔ اس سفر میں دیگر متعدد مدارس کا معائنہ بھی ہوا تھا۔

مولانا نے علاقے میں نہ صرف یہ کہ عقیدہ توحید، تعلیمات کتاب وسنت اور منہج سلف امت کی نشر واشاعت کی اور مدارس ومساجد اور منبر ومحراب کو آباد کیا بلکہ بہت سارے سماجی ورفاہی کام بھی کیے، متعدد مساجد بنوائیں اور شاگردوں اور مستفیدین کی ایک جماعت چھوڑ گئے جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ ان شاء اللہ

مولانا اوائل رمضان المبارک میں عمرہ کے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ مولانا عبد الستار سلفی مدھوپوری صاحب رفیق سفر ہوگئے تھے۔ لیکن اللہ جل شانہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آخری عشرہ کے آخری دنوں میں ایک دن کے لیے مدینہ طیبہ گئے تھے، اچانک طبیعت بگڑ گئی، ان کو مستشفی الحیاۃ الوطنی میں داخل کیا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہوسکے۔ بقول مولانا عبد الستار سلفی صاحب جو اس سانحے کے وقت مولانا کے ساتھ تھے۔ ہوسپیٹل کے اخراجات کے لیے کئی جگہ اپنوں سے درخواست کی اور مل بانٹ کر اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کی اپیل کی مگر اس پردیس میں مقیم حضرات میں سے کسی نے کچھ مالی مدد نہیں کی۔ بالآخر ڈاکٹر عبد الرحمن فریوائی صاحب حفظہ اللہ کو ریاض فون کیا اور انہوں نے فوراً اس کا انتظام فرمادیا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔ ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ اس طرح کے مواقع پر ایسے ہی مواقف کے لیے مشہور ہیں خود نہ کرسکے تو عزیز واقارب اور اصحاب کو راضی کرکے ضرورتمندوں کی حاجت پوری کرتے ہیں۔

مولانا حیات فانی سے حیات جاودانی کی طرف کوچ کرگئے۔ زندگی کے کتنے سرد گرم سہے، کتنا اس کے لیے توشہ جمع کیا وہ اپنے رب کے حضور پالیں گے۔ اور ابدی زندگی کا مزہ لیں گے۔ مگر ہم کو صرف ان کی یادیں اور باتیں ہی یاد رہ جائے گی۔ ادھر کچھ سالوں سے مولانا ہی اکثر فون کیا کرتے تھے اور بے ساختہ کہتے تھے کہ ادھر کچھ دنوں سے دعا وسلام نہ ہوسکی۔ سوچا خیر خیریت معلوم کرلوں، جمعیت وجماعت کی سرگرمیاں مختلف ذرائع سے ملتی رہتی ہیں۔ آپ کے احوال سے واقفیت چاہتا تھا اور دعاؤں میں کبھی نہیں بھولتا۔ تشجیع وتحسین اور حوصلہ افزائی کے کلمات کہہ کر ہمت بندھانے میں ماجور ہوتے مگر ہمیں شرمندہ بھی ہونا پڑتا۔ اور یہ دعا جو ایسے مواقع کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اور معانی کے اعتبار سے دل کو لگتی ہے، پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ "اللهم لا تواخذني بما يقولون، واجعلني خيرا مما يظنون، واغفرلي ما لا يعلمون"

عزیزم فیصل مکی سلمہ اللہ، مولانا عبد الستار سلفی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے جھارکھنڈی طلبہ کی کوششوں سے ضروری کاغذی کارروائی کی تکمیل ہوئی اور ۲۷/رمضان المبارک کو بقیع غرقد میں انہی کے ہاتھوں تدفین ہوئی اور مدینۃ النبی ﷺ میں آسودہ خاک ہوئے۔ مدینہ منورہ میں وفات اور تدفین خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مفتی صاحب نے نہ جانے کتنی کوششیں صرف کی ہوں گی کہ چند سال بغرض تعلیم مدینہ منورہ میں قیام کا شرف حاصل ہوجائے مگر یہ تو نہ ہوسکا مگر بوجوہ موت کے بعد ابدی اقامت کا شرف حاصل ہوگیا اور پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

پسماندگان میں معذور وبیمار اہلیہ، دولڑکے حافظ عبد الحنان اور حافظ فوزان اور دولڑکیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

(صفحہ ۳۱ کا بقیہ:)

انتقال پُر ملال: یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد کے سابق امیر معروف عالم دین مولانا سید عبد الحکیم صاحب ایم اے طویل علالت کے بعد مورخہ 26/مئی 2023 کو بعد نماز جمعہ بعمر 85/سال داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

مولانا سید عبد الحکیم صاحب بڑے خلیق وملنسار اور جماعتی غیرت سے سرشار تھے۔ 1965ء سے دعوت اصلاح اور جماعتی کاموں میں سرگرم تھے۔ جامع مسجد اہل حدیث اڈیک میٹ حیدرآباد کے مستقل خطیب تھے اور یہ سلسلہ وفات سے چھ ماہ قبل تک جاری رہا۔ کچھ عرصہ تک قطر میں بھی دعوتی خدمات انجام دیں۔ پسماندگان میں اہلیہ، پانچ صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، دینی ودعوتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

(شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

تبصرہ

نام کتاب	:	الحزب المقبول من أدعیۃ القرآن والرسول ﷺ یعنی مقبول قرآنی ونبوی دعائیں
جمع وترتیب	:	مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی
صفحات	:	۲۷۲
تیارکردہ	:	المرکزالاسلامی الثقافی الهندی للترجمۃ والتالیف،نئی دہلی
ناشر	:	الحکمۃ پبلی کیشن، نئی دہلی

دین اسلام کا خاصہ ’’توحید‘‘ ہے۔ اسی کا ایک جزء دعا ہے۔ دعا صرف اور صرف رب العالمین سے کی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ’’فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا‘‘ (الجن/۱۸) اور دعائیں صرف اور صرف وہی قبول کرتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ’’ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ‘‘ (المومن:۶۰)

دعا ذکر الٰہی میں داخل ہے۔ شریعت اسلامیہ نے دعا کے فضائل و مسائل، آداب واحکام، اوقات ومقامات کی تفصیل بیان کردی ہے۔ اسی طرح دعا کے کلمات والفاظ و جملے بھی کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔ قرآن کریم میں مذکور دعاؤں کو قرآنی دعا اور حضور رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی دعاؤں کو ماثور دعاؤں کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں دعاؤں کی ضرورت وحاجت ہے اس لیے ان سے واقفیت لازمی ہے۔ یہ دعائیں قرآن کے پاروں اور ذخیرہ احادیث میں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں محدثین کرام اور علمائے امت نے یکجا کتابی صورت میں جمع کردیا ہے۔ البتہ ان میں سے رطب ویابس میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی الکلم الطیب، علامہ محمد بن جزریؒ کی حصن حصین، مولانا عبدالسلام صاحب بستوی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی اسلامی وظائف اور دور حاضر میں شیخ علی بن وہف القحطانی کی حصن المسلم کافی شہرت کی حامل ہیں۔

اسلامی وظائف میں بلا امتیاز صحت وضعف اکثر دعاؤں کو جمع کردیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی الکلم الطیب میں اکثر تو صحیح سندوں سے مروی دعائیں نقل ہیں لیکن اس میں کچھ غیر صحیح روایات بھی آگئی تھیں جنہیں محدث عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے الگ کردیا اور صحیح الکلم الطیب کے نام سے اس کی طباعت ہوئی۔

اب اس سلسلہ میں ایک شاندار اضافہ ’’الحزب المقبول‘‘ یا ’’مقبول قرآنی ونبوی دعائیں‘‘ نام سے ہوا ہے۔

یہ جمع وترتیب اور انتخاب جماعت اہل حدیث کے معتبر عالم ونامور اہل قلم امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے قلم سے ہے۔

مولانا موصوف گوناگوں اوصاف جمیلہ وکمالات علمیہ سے متصف ہیں ان کا قلم بھی بڑا گہرا رہا ہے اور ان کی مساعی کا شجر، شجر برگ و بار ہے۔ اب تک متعدد تصنیفات وتالیفات اور تراجم کے تحائف وہ اہل علم کی بارگاہ میں پیش کر کے خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایک شخص اتنی بڑی جماعت کی امارت وقیادت کا بار گراں اپنے کندھوں پر لیے عرب وعجم کی خاک چھان رہا ہے، دعوتی اجلاسوں وکانفرنسوں اور دیگر تقاریب میں شرکت کے لیے رواں دواں جمعیت کے تمام شعبوں کی نگرانی وہدایات، پندرہ روزہ جریدہ ترجمان کی ادارت، ایڈیٹوریل لکھنا اور ملی تنظیموں کے پروگراموں کا حصہ بننا، وطن عزیز میں ملت کو درپیش چیلنجز سے نبرد آزمائی، جماعت اہل حدیث کے حاسدوں ودشمنوں کی سازشوں کو پرکھنا اور سدباب کرنا اتنی ساری گہما گہمیوں کے باوجود تصنیف وتالیف کے لیے وقت نکال لینا بڑا اعجوبہ ہے۔

زیر نظر تالیف مقدمہ، دعاء کے آداب، دعا کی قبولیت کے اوقات، دعا کے مقامات، قرآنی دعائیں، ماثور دعائیں پر مشتمل ہے۔

بات صرف کلمات والفاظ وجملوں کے نقل کرنے کی ہی نہیں بلکہ غلط خیالات و عقائد کا علمی رد ہے۔

قرآنی دعاؤں پر تو اجماع ہے البتہ ماثور دعاؤں میں صحت کا بھرپور التزام ہے۔ صحیحین کو چھوڑ کر باقی جو دعائیں کتب احادیث سے منقول ہیں ان کی سندوں پر محدثین کے ذریعہ لگایا گیا حکم صحت یا حسن بھی مذکور ہے، بطور خاص محدث عصر علامہ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ کی تصحیح وتحسین کا حکم بھی مذکور ہے جس سے قاری کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

نماز کے مسائل میں صحیح طریقہ اور صحیح ماثور دعائیں ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ روز مرہ زندگی کے لیے تمام دعائیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

یہ تالیف دعا کے باب میں ایک بیش بہا اضافہ، اہل علم کے لیے علمی تحفہ اور اسلامی لائبریریوں کے لیے جمال وزینت ہے۔

مولف اپنی اس علمی کاوش پر دعا، شکریہ اور تبریک وتہنیت کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

خورشید احمد السلفی

۱۰؍رمضان ۱۴۴۴ھ بروز اتوار

امان منزل، جیت پور، نئی دہلی

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ کا چاند نظر نہیں آیا

دہلی:۲۰/مئی ۲۰۲۳ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/شوال المکرم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰/مئی ۲۰۲۳ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب بمقام اہل حدیث کمپلیکس، اوکھلا، نئی دہلی بسلسلہ رؤیت ہلال ماہِ ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں اور ملی تنظیموں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے مگر متعدد صوبوں میں مطلع صاف ہونے کے باوجود کسی بھی صوبہ سے رؤیت ہلال کی مصدقہ ومستند خبر موصول نہ ہوئی۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا کہ کل مورخہ ۲۱/مئی ۲۰۲۳ء، بروز اتوار، شوال المکرم ۱۴۴۴ھ کی ۳۰/ویں تاریخ ہوگی۔ ان شاءاللہ

معروف قانون داں ظفریاب جیلانی کا سانحۂ ارتحال بڑا خسارہ

دہلی، ۱۸/مئی ۲۰۲۳ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنے تعزیتی بیان میں معروف وکیل اور ماہر قانون داں جناب ظفریاب جیلانی کے سانحۂ ارتحال پر رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ان کی وفات کو بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بہترین قانونی مشیر تھے اور قانونی امور سے متعلق رہنمائی میں بڑا فعال کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی آراء کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ موصوف کا شمار ملت کے مخلص، حوصلہ مند اور دردمند افراد میں ہوتا تھا۔ ذاتی طور پر بھی میں ان سے متاثر تھا کیونکہ وہ انتہائی پرخلوص طریقے سے ملتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں بہت دردمندی اور ہمدردی سے بات کرتے تھے۔

امیر محترم نے اپنے تعزیتی پیغام میں موصوف کے پسماندگان اور جملہ متعلقین سے اظہار تعزیت کیا ہے۔ رب العلمین ان کی مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور قوم وملت خصوصا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر، شہرت یافتہ سیرت نگار اور عالمی علمی و تحقیقی شخصیت شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی اہلیہ کا سانحہ ارتحال: یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر، شہرت یافتہ سیرت نگار، موقر عالمی علمی وتحقیقی شخصیت اور صاحب ”الرحیق المختوم“ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ کا مورخہ ۲۷/مئی ۲۰۲۳ء کو تقریبا بارہ بجے شب اچانک دہلی میں بعمر تقریبا 80/سال انتقال ہوگیا۔ **اناللہ وانا إلیہ راجعون۔**

مرحومہ نہایت خلیق وملنسار، متواضع، مہمان نواز، علماء کی قدرداں اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ اپنے شوہر شیخ صفی الرحمن مبارکپوری صاحب رحمہ اللہ کے تمام دینی، دعوتی، تعلیمی، تربیتی اور علمی وتحقیقی کاموں میں شریک وسہیم اور معاون تھیں اور بچوں کی اعلی دینی تعلیم وتربیت میں ان کا اہم کردار تھا۔ اسی دن بعد نماز مغرب آبائی وطن حسین آباد مبارکپور، یوپی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

پسماندگان میں تین لائق فائق صاحب زادے ڈاکٹر طارق صفی الرحمن مدنی، ڈاکٹر عامر صفی الرحمن مدنی، مولانا یاسر صفی الرحمن مدنی، تین صاحب زادیاں اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کی مکین بنائے، پسماندگان ومتعلقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (غم زدہ ودعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

انتقال پُر ملال: ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے پھوپھی زاد، مولانا عبدالکبیر مبارک پوری اور مولانا صلاح الدین سلفی کے ماموں حاجی عبدالمنان صاحب (املو، مبارک پور، اعظم گڑھ) طویل علالت کے بعد 14 مئی 2023، اتوار کے دن مغرب کے بعد سوا سات بجے، تراسی سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔** 15 مئی کو صبح دس بجے آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ مرحوم دین کے لئے بڑی غیرت رکھتے تھے۔ حق بات کہنے میں بے حد جرأت منداور دینی معاملات میں کسی بھی قسم کی مداہنت سے کوسوں دور تھے۔ موجودہ ماحول میں مرحوم جیسی شخصیتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں سے چشم پوشی فرمائے اور ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ان کی آل و اولاد اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (شریک غم: ضیاء اللہ محمد ادریس مبارک پوری) **(بقیہ صفحہ نمبر ۲۹ پر)**

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم وغیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُرزور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرماکر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ و روغن کا سامان یا قیمت مہیا کراکے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292